بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف

حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

المنقذ من الضلال (اردو)

ترجمہ: عبدالرسول ارشد ایم اے گولڈ میڈلسٹ

ناشر: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، داتا گنج بخش روڈ، لاہور

المنقذ من الضلال (اردو)

تصنیف

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

عبدالرسول ارشد ایم اے گولڈ میڈلسٹ

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

کتاب ---------- المنقذ من الضلال
تصنیف ---------- حجتہ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ
ترجمہ ---------- عبدالرسول ارشد ایم اے گولڈ میڈلسٹ
کاتب ---------- قاضی نثار النبی
ناشر ---------- ضیاء القرآن پبلی کیشنز
تعداد ---------- گیارہ سو
قیمت ---------- بارہ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مطالب

پیش لفظ

امام غزالی عرصہ دراز تک فلسفہ و علمِ کلام جیسے ظاہری علوم کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کرتے رہے لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ظاہری علوم سے اُن کے دل کو سکون اور رُوح کو قرار نہیں ملا۔ تو فلسفہ و علم الکلام کی بساط کو سمیٹا اور صوفیاء کی طرف متوجہ ہوئے! اور ایک مدت تک ان نفوس قدسیہ کی صحبت میں رہ کر اپنی متاع گم گشتہ کو پا لیا۔

امام غزالی نے صوفیاء کی مجالس میں سکون قلب جیسی نایاب دولت حاصل کرنے کے بعد اپنے ذہنی قلق و اضطراب کی داستان کو اپنی مشہور کتاب "المنقذ من الضلال" میں لکھا جو اپنے جلو میں فکر و خیال کے لئے روشنی اور ذہن و شعور کی بیداری کا سامان لئے ہوئے ہے۔ موجودہ دور میں امام غزالی کی یہ کتاب اُمتِ مسلمہ کے لئے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

چنانچہ وقت کی ضرورت کے پیش نظر امام غزالی کی اس کتاب کا ترجمہ ہمارے فاضل دوست علامہ عبدالرسول ارشد ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) نے کیا۔ ارشد صاحب دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فارغ التحصیل ہیں اور ان لوگوں

میں سے ہیں جن پر قدرت کی خاص عنایت ہے۔ آپ علوم جدیدہ کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ آپ نے میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے عربی و اسلامیات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ عالم عربی کے امتحان میں پنجاب بھر میں اوّل آئے۔ جب کہ فاضل عربی میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔

ارشد صاحب ۱۹۷۵ء سے لیکر ۱۹۸۱ء تک ضیاء القرآن پبلیکیشنز کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مفسر قرآن، مفکر اسلام ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب نے آپ کی خدمات کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

"دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فاضل عزیزم مولینا عبدالرسول ارشد ایم اے (گولڈ میڈلسٹ) کا میں ممنون ہوں جنہوں نے میری گذارش پر سرکاری ملازمت سے استعفا دے کر ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا کام سنبھالا۔ انہی کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ضیاء القرآن کو اس دیدہ زیب صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے"۔

آج کل موصوف تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ بارگاہ صمدیت میں دعا گو ہوں کہ رب لم یزل آپ کی صلاحیتوں میں اور اضافہ فرمائے۔ آمین ثم آمین

"مینجر"

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

حجۃ الاسلام حضرت محمد بن محمد الغزالی الطوسی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت خراساں کے اضلاع میں ایک ضلع کا نام طوس ہے اس ضلع میں دو شہر ہیں طاہران اور طوقان، امام صاحب ۴۵۰ھ میں طاہران میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا پیشہ رشتہ فروشی تھا اسی نسبت سے غزالی کہلاتے۔

نام آپ کا نام محمد، لقب حجۃ الاسلام اور عرف غزالی ہے۔

تعلیم امام صاحب کے والد ماجد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے، لیکن انہیں اپنے بچوں کی تعلیم کا بہت خیال تھا۔ انتقال سے پہلے انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں محمد اور احمد کو اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور ان سے کہا کہ میری انتہائی خواہش ہے کہ میرے بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں، میری زندگی نے وفا نہیں کی اس لئے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میرے بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا۔ اور اس مقصد کے لئے انہیں کچھ رقم بھی دی، امام صاحب کے والد صاحب کے انتقال کے بعد اس بزرگ نے ان دونوں بچوں کو تعلیم دلوانا شروع کی۔ امام صاحب نے ابتدائی کتابیں اپنے شہر میں احمد بن محمد رازکانی

سے پڑھیں۔ اس کے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام ابونصر اسماعیلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے علم حاصل کیا، اور تدریس کے دستور کے مطابق یادداشتیں مرتب کیں۔ جب آپ وطن واپس لوٹے تو راستے میں قافلہ پر ڈاکہ پڑا۔ ڈاکو سامان لوٹ کر لے گئے۔ اور امام صاحب کے ہاتھ سے وہ تعلیقات بھی جاتی رہیں۔

امام صاحب ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے، اور اس سے کہا کہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے صرف میری یادداشتیں واپس دے دو۔ سردار نے تعلیقات تو واپس کر دیں لیکن ساتھ ہی ایک چوٹ بھی کر گیا اور کہنے لگا۔ "تم نے خاک پڑھا ہے کہ یہ چند اوراق تمہارے ہاتھ سے چھن گئے، تو تم بالکل کورے ہو گئے۔ ڈاکو کی اس بات نے امام صاحب پر بڑا گہرا اثر کیا اور امام صاحب نے تین سال کی محنتِ شاقہ سے وہ تمام تعلیقات حفظ کر لیں۔

مزید تعلیم کے لئے امام صاحب نے نیشاپور کا قصد کیا۔ جہاں امام الحرمین عبدالملک ضیاءالدین جیسی ہستی مسندِ تدریس کی زینت تھی۔ آپ نے امام الحرمین سے تحصیل علم شروع کی۔ سُبحان اللہ اس مادرِ علمی کی کیا شان ہو گی جہاں استاد امام الحرمین اور شاگرد غزالی ہو۔ امام صاحب نے امام الحرمین کی زندگی ہی میں شہرت عام حاصل کر لی اور صاحب تصنیف ہو گئے۔ لیکن آپ امام الحرمین کی زندگی میں اُن کی صحبت سے علیحدہ نہ ہوئے اور جب امام الحرمین کا انتقال ہو گیا تو آپ نیشاپور سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ ممالکِ اسلامیہ میں یگانۂ روزگار تھے۔

علمی کارنامے

امام صاحب نے تقریباً چون پچپن سال کی عمر میں جو علمی کارنامے سرانجام دیئے اُن کی فہرست مرتب کرنے کے لئے بھی دفتر

درکار ہیں۔

سینکڑوں کی تعداد میں کئی کئی جلدوں پر مشتمل تصنیفات، ہزاروں کی تعداد میں شاگرد، فتاوے لکھنا، فرق باطلہ کا رد، اُن سے مناظرے کرنا اور ان کے رد میں کتابیں لکھنا۔ وعظ و تلقین کا شغل الگ۔

یہ غزالی ہی کا مقام ہو سکتا ہے۔

تصنیفات

امام صاحب کی تصنیفات کی تعداد تو بہت زیادہ ہے ہم اُن سے چند ایک یہاں درج کریں گے

احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، ہدایۃ الہدایہ، بسیط، تنبیہ الغافلین۔ تلبیس ابلیس، تہافتہ الفلاسفہ، تفرقہ بین الاسلام والزندقہ، جواہر القرآن، حجۃ الحق القسطاس المستقیم، المستصفیٰ، مقاصد الفلاسفہ، المنقذ من الضلال، مشکوٰۃ الانوار، مستظہری فی الرد علی الباطنیہ، میزان العمل، مفصل الخلاف فی اصول القیاس منہاج العابدین، وجیز، وسیط اور چالیس جلدوں پر مشتمل تفسیر یاقوت التاویل

نسبت

امام صاحب کے شیخ طریقت شیخ ابو علی فارمدی (افضل بن محمد بن علی) تھے۔ شیخ موصوف بہت عالی مرتبہ صوفی تھے، نظام الملک اُن کا اس قدر احترام کرتا کہ جب وُہ اس کے دربار میں تشریف لے جاتے تو وُہ کھڑا ہو جاتا اور اپنی مسند ان کے لئے خالی کر دیتا تھا۔

انتقال

امام صاحب نے ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو طاہران کے مقام پر انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی نے آپ کے انتقال کا قصہ اُن کے بھائی حضرت احمد غزالیؒ کی روایت سے یوں لکھا ہے۔

"پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اُٹھے وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا: "آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔
یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے۔ لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔"

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

المنقذ من الضلال

ذوقِ جستجو بڑی دولت ہے اور امام غزالی کو قدرت نے یہ دولت وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی۔ امام صاحب نے جس زمانے میں ہوش سنبھالا اس وقت اسلام کی نہایت واضح اور آسان صراطِ مستقیم کو فرقوں کے اختلاف، مناظروں اور مجادلوں نے دھندلا کے رکھ دیا تھا۔ ہر فرقہ اپنے مزعومات کو حق اور دیگر فرقوں کے عقائد کو غلط کہتا۔ ہر فرقہ یہ دعویٰ کرتا کہ جو اُن کے عقائد سے متفق ہے وہ سچا مومن ہے اور جو اُن سے اختلاف کرتا ہے وُہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ان حالات میں راہَ حق کو سمجھنا انتہائی مشکل کام تھا۔

امام غزالی کی حساس طبیعت کسی فرقے کے عقائد کو بغیر تحقیق کے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ اور تحقیق کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں حائل تھیں۔ اس صورتِ حال نے امام صاحب کی طبیعت میں ہیجان پیدا کر دیا۔

امام صاحب نے باطل سے حق کی تمیز کے لئے مختلف فرقوں کے عقائد اور تعلیمات کا نہایت امعان نظر سے مطالعہ کیا۔ بلکہ اُن کے علوم میں کمال حاصل کیا۔ متکلمین، فلسفیوں اور فرقہ باطنیہ کے علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اور پھر اُن تمام

فرقوں نے جہاں جہاں ٹھوکریں کھائی تھیں۔ ان مقامات کی نشاندہی کی۔ اور اُن کے مزعومات کی بڑے مدلّل انداز میں تردید کی! ور آخر کار امام صاحب صوفیائے کرام کے مسلک کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپنے اکابر صوفیاء کرام کی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور بالآخر امام صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہی طبقہ (یعنی طبقہ صوفیا) ہی حق پر ہے۔

"المنقذ من الضلال" امام صاحب کی زندگی کے اسی مد وجذر کی داستان ہے امام صاحب جیسی علمی شخصیت تو تمام عقلی علوم کے برعکس تصوف ہی کو راہ حق قرار دیتی ہے۔ لیکن ہماری صفوں میں اُن لوگوں کی بھی کمی نہیں جو تصوف کو افیون کا نام دینے سے بھی باز نہیں آتے۔

عقلیت پسندی کے اس دور میں جب لوگ ہر چیز کو یہاں تک کہ الٰہیات کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام کی یہ تصنیف انتہائی مفید ہے۔ کتاب کے آخر میں حقیقتِ نبوت کے متعلق امام صاحب کا مقالہ نہایت ہی بصیرت افروز ہے۔

"تلاشِ حق کی راہ میں امام صاحب کو جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔ انہی تفصیلات کا نام "المنقذ من الضلال" ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

تمام تعریفیں اس ذاتِ بابرکات کے لئے ہیں جس کی حمد و ثنا سے ہر تحریر و تقریر کا آغاز ہوتا ہے، درود اور سلام ہو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مقامِ نبوت و رسالت پر فائز ہیں۔ اور سلامتی ہو آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ کرام پر جو گمراہی کی تاریکیوں میں راہِ راست دکھانے والے ہیں۔

امّا بعد :

★ اے میرے دینی برادرِ عزیز! تو نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں تیرے سامنے علوم کی غرض و غایت اور ان کے اسرار و رموز بیان کروں۔

★ مذاہب کی تاریکیوں اور ان کے شر سے پردہ سرکاؤں۔

★ تجھے بتاؤں کہ گوناگوں فرقوں کے متضاد راستوں سے راہِ حق تلاش کرنے میں مجھے کن کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

★ اور یہ کہ تقلید کی پستیوں سے ابھر کر بصیرت کی بلندیوں پر پہنچنے کی جرأت میں نے کیسے کی۔

★ سب سے پہلے میں نے علمِ کلام سے کیا حاصل کیا۔

★ دوسرے نمبر پر اہلِ تعلیم جو کسی امام کی تقلید میں حق کو سمجھنے سے قاصر ہیں ان کے طریقوں سے مجھے کیا ملا۔

★ فلاسفہ کی تعلیمات سے میں نے کیا اخذ کیا۔

★ اور آخر کار کیونکر میں طریقۂ تصوف پر مطمئن ہوا۔

★ مخلوق کے بیانات کی مسلسل اور لگاتار جستجو کے دوران حق کی رُوح مجھ پر کیسے ظاہر ہوئی۔

★ وُہ کیا اسباب تھے جن کے تحت طلبہ کی کثرت کے باوجود میں نے بغداد میں اشاعتِ علم کو خیر باد کہا۔

★ اور پھر اتنی طویل مدّت کے بعد میں نیشاپور کی طرف کیوں لوٹا۔

برادرِ عزیز! تیرے جذبات میں مجھے سچائی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی لئے میں نے فوراً تیرے سوالات کا جواب دینے کا فیصلہ کیا۔ اب میں، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر۔ اُسی پر توکل کرتے ہوئے اُسی سے توفیق طلب کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اُسی کی پناہ میں دیتے ہوئے کہتا ہوں:

عزیزانِ محترم! اللہ جلّ مجدہٗ تمہیں ہدایت حسنہ عطا کرے اور تمہارے دلوں کو قبولِ حق کے لئے نرم کردے:

سمجھ لو! کہ مخلوقات کی ادیان و ملل میں تقسیم، مذاہب میں ائمہ کا اختلاف اور ان کے گوناگوں مسلک اور فرقے اور ان کا باہمی تضاد، وہ اتھاہ سمندر ہے جس میں بے شمار لوگ غرق ہوئے ہیں اور بہت کم اس تباہی سے بچے ہیں۔

ہر فریق یہی سمجھتا ہے کہ وہی راہ حق پر ہے اور ہر ایک اپنے مزعومات پر خوش ہے۔

یہ وہی صورتحال ہے جس کا وعدہ ہمارے ساتھ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سچ ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

"میری اُمت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائیگی اور اِن فرقوں میں سے صرف ایک ہی فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔"

اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

میں اپنے زمانۂ جوانی ہی سے (جب میں سن بلوغ کو پہنچا تھا اور میری عمر بیس سال سے بھی کم تھی، اب تک، جب کہ عمر پچاس سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے) اس اتھاہ سمندر میں غوطہ زنی کر رہا ہوں۔ ان گہرائیوں میں، میں کسی کمزور اور بزدل انسان کی طرح نہیں بلکہ ایک جراٴت مند اور بیباک انسان کی طرح غوطہ زنی کرتا ہوں۔

میں تاریکیوں میں گھس جاتا ہوں، ہر مشکل کے دروازے پر دستک دیتا ہوں، اور ہر گھاٹی میں چھلانگ لگا دیتا ہوں۔

میں ہر فرقے کے عقائد کی چھان پھٹک کرتا ہوں۔ ہر گروہ کے مذہب کے اسرار و رموز پر آگاہی حاصل کرتا ہوں تاکہ میں سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز کر سکوں اور مجھے معلوم ہو سکے کہ راہ سنت کا پیروکار کون ہے اور کون بدعتی ہے۔

میں جب کسی باطنی کے بارے میں غور کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کی بطانت کی حقیقت تک رسائی حاصل کر دں۔

جب کسی ظاہری کی باری آتی ہے تو میرا ذوقِ جستجو مجھے اس کی حقیقت تک پہنچنے پر مجبور کرتا ہے۔

میں فلسفی کے فلسفہ کی رُوح تک پہنچنا چاہتا ہوں؛ اور متکلم کے کلام اور مجادلہ کی غرض وغایت معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں صوفی کی صفوت کے راز معلوم کرنا چاہتا ہوں، اور میں اس جستجو میں رہتا ہوں کہ ایک عابد کو عبادت کا کیا صلہ ملتا ہے۔ اور جب میں کسی بے راہ رو زندیق کو دیکھتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ ان اسباب کا سراغ لگاؤں جن کے تحت اس نے یہ راہ اختیار کرنے کی جرأت کی ہے۔

اُمور کی حقیقت تک رسائی کی پیاس اوائل عمر ہی سے میری سرشت میں داخل ہے یہ چیز فطری اور جبلی ہے اور میرے ارادہ و اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

میرے ذوقِ جستجو کی اس بے قراری کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں تقلید کے بندھن سے آزاد ہو گیا، اور موروثی عقائد کا سحر ٹوٹنے لگا۔ بچپن میں جب میں دیکھتا کہ عیسائیوں کے بچّے بڑے ہو کر عیسائی بن جاتے ہیں۔ یہودیوں کے بچوں کی نشو ونما یہودیت پر اور مسلمانوں کے بچوں کی نشو ونما اسلام پر ہوتی ہے۔ اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارکہ بھی سُن رکھی تھی: "ہر بچّے کی ولادت فطرت پر ہوتی ہے اور اس کے والدین ہی اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بناتے ہیں"۔ تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ معلوم کروں کہ "فطرتِ اصلیہ" کی حقیقت کیا ہے۔

اور اساتذہ اور والدین کی تقلید سے جو عقائد اختیار کیے جاتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔

میں نے چاہا کہ ان تقلیدات کے درمیان تمیز کرنے کی کوشش کروں۔ جب کہ ان تقلیدات کی بنیاد ظنّیات پر ہے اور حق کو باطل سے ممیّز کرنے میں اختلافات ہیں تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا بنیادی مقصد امُور کی حقیقتوں کا علم حاصل کرنا ہے۔ اس لئے یہ بات ضروری ہو گئی کہ یہ پتہ چلے کہ علم کی حقیقت کیا ہے۔ مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ "علم یقینی وہ ہے جس میں معلوم (جس چیز کا علم حاصل ہو) اس طرح منکشف ہو کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے، اور نہ ہی اس میں وہم اور غلطی کا کوئی امکان باقی رہے بلکہ غلطی کے تصوّر کی بھی گنجائش نہ رہے۔

بلکہ کسی علم میں غلطی سے محفوظ رہنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ علم یقین کے اس درجہ پر ہو کہ اگر کوئی پتھر کو سونا اور عصا کو سانپ بنا کر دکھانے والا شخص بھی اس علم میں شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے تو ناکام رہے۔

مثلاً جب مجھے یہ یقین ہے کہ دس تین سے زیادہ ہوتے ہیں اور کوئی شخص مجھ سے آکر کہتا ہے کہ نہیں تمہارا خیال غلط ہے بلکہ تین دس سے زیادہ ہوتے ہیں اور اپنے اس دعویٰ کی دلیل یہ دے کہ وہ عصا کو سانپ کی شکل میں بدل سکتا ہے اور وہ عصا کو سانپ کی شکل میں تبدیل بھی کر دے اور میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں، تو بھی میں اپنے اس علم میں شک نہیں کروں گا کہ دس تین سے زیادہ ہوتے ہیں اس کی اس شعبدہ بازی سے مجھے زیادہ سے زیادہ اس کی اس مہارت پر تعجّب تو ہوگا، لیکن اپنے علم میں شک! تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر یہ بات مجھ پر منکشف ہوئی کہ جس چیز کے متعلق مجھے اس معیار کا علم حاصل نہیں، اور جس کے متعلق میرے یقین کی یہ کیفیت نہیں، اس علم پر نہ کوئی اعتماد کیا جا سکتا

ہے اور نہ ہی اس میں غلطی سے محفوظ رہنے کی ضمانت ہے۔

اور ہر وہ علم جو غلطی سے محفوظ رہنے کی ضمانت نہ دے سکے اسے علم یقینی نہیں کیا جا سکتا۔

پھر میں نے اپنے علوم کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ حسیات اور ضروریات کے علاوہ مجھے کسی چیز کے متعلق مذکورہ معیار کا علم حاصل نہیں ہے۔

اس صورتِ حال سے مایوس ہو کر جب میں نے سوچا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پیچیدہ مسائل کو حسیات اور ضروریات ہی کی روشنی میں حل کیا جائے تو سب سے پہلے حسیات اور ضروریات کے متعلق تحقیق کر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ محسوسات پر میرا اعتماد اور ضروریات کے غلطی سے محفوظ ہونے کا یقین بھی کہیں اسی طرح کا یقین تو نہیں جس طرح پہلے مجھے تقلیدات کے متعلق تھا، اور جس طرح اکثر لوگ اپنے نظریات کو غلطی سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اور آیا ضروریات اور حسیات کا غلطی سے پاک ہونا واقعی یقینی ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو میں نے بڑی محنت سے محسوسات اور ضروریات کے متعلق غور و فکر شروع کر دیا ۔ میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ آیا ضروریات اور حسیات کے متعلق میں اپنے نفس کو شک و شبہ میں مبتلا کر سکتا ہوں یا نہیں، میری اس کوشش سے میرے دل نے محسوسات کو بھی غلطی سے محفوظ سمجھنے سے انکار کر دیا۔ محسوسات کے متعلق شکوک میں اضافہ ہونے لگا اور میرے دل نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

محسوسات پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ حواس میں سب سے مضبوط

حس، حس بصارت ہے، آنکھ سایے کو دیکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ سایہ ساکن ہے، متحرک نہیں ہے اور آنکھ فیصلہ کر دیتی ہے کہ سایہ متحرک نہیں ہے۔

پھر کچھ وقت کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد آپ سمجھ جاتے ہیں کہ سایہ متحرک ہے اور یہ بھی کہ سایے نے دفعتہً حرکت نہیں کی بلکہ وہ بتدریج آہستہ آہستہ حرکت میں ہے بلکہ وہ کبھی ساکن نہیں تھا۔ آنکھ ستاروں کو دیکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ یہ دینار کی مانند چھوٹے ہیں پھر ہندسہ کے دلائل وضاحت کرتے ہیں کہ ستارے تو مقدار میں زمین سے بھی بڑے ہیں، یہ اور اسی طرح کے دیگر کئی محسوسات ہیں جن کے متعلق (حسّ) کوئی فیصلہ صادر کرتی ہے اور عقل اس کو جھٹلا دیتی ہے اور حس کے فیصلہ کی اس زور سے تردید کرتی ہے کہ اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

میں نے سوچا، کہ محسوسات سے بھی اعتماد اُٹھ گیا ہے تو اب شاید عقلیات ہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جو اوّلیات میں سے ہیں۔

جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔

"دس تین سے زیادہ ہوتے ہیں"

"نفی اور اثبات ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتے"

"یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شے حادث بھی ہو اور قدیم بھی"

"یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شے موجود بھی ہو اور معدوم بھی"

"یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شے واجب بھی ہو اور محال بھی"

میں یہی سوچ رہا تھا کہ محسوسات کی آواز آئی:

"تمہارے پاس اس چیز کی کیا ضمانت ہے کہ عقلیات پر تمہارا اعتماد اسی نوعیت کا

نہیں جس طرح کا اعتماد پہلے تمہیں محسوسات پر تھا"۔

تم محسوسات پر مکمل اعتماد کرتے تھے کہ عقل کا حاکم آیا اور اس نے محسوسات کو جھٹلا دیا، اور اگر عقل کا حاکم نہ آتا تو تم ہمیشہ محسوسات کی تصدیق کرتے رہتے، ممکن ہے کہ عقل سے بڑا کوئی اور حاکم بھی موجود ہو" اور جب وہ سامنے آئے تو عقل کے فیصلوں کو جھٹلا دے، جیسے کہ پہلے عقل کا حاکم آیا تو اُس نے حِس کے فیصلہ کو مسترد کر دیا۔

اور اس قسم کے ادراک (عقل سے بڑے) کا ظاہر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا ظاہر ہونا ممکن ہی نہیں۔

میرے دل نے اس سوال کے جواب میں تھوڑا سا توقف کیا۔ خواب کے احوال نے اس اعتراض کو تقویت دی اور کہا۔

"کیا یہ بات سچ نہیں کہ تو خواب میں کچھ امور کو دیکھتا ہے اور کچھ خیالات تیرے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور تو ان امور و خیالات کے وجود اور استقرار پر یقین کر لیتا ہے اور پھر جب تو خواب سے بیدار ہوتا ہے تو تجھے معلوم ہوتا کہ خواب میں پیش آنے والے معتقدات اور خیالات کی کوئی حقیقت نہیں"۔

تو اس چیز کی کیا ضمانت ہے کہ حالت بیداری میں جن اُمور پر تو حِس اور عقل کی وجہ سے اعتماد کرتا ہے وہ تیری اس موجودہ حالت کے لحاظ سے تو حق ہوں، لیکن ممکن ہے کہ تجھ پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جائے جو تیری حالت بیداری کی نسبت وہی حیثیت رکھتی ہو جو حیثیت حالتِ بیداری کو خواب کے مقابلے میں حاصل ہے۔

اور اس حالت کے مقابلے میں حالتِ بیداری کی وہی حیثیت رہ جائے جو حالتِ بیداری کے مقابلے میں خواب کی ہے اور جب یہ حالت طاری ہو جائے تو تجھے

یقین ہو جائے کہ عقل جن معاملات کو حق سمجھتی تھی ان کی تو قطعاً کوئی بنیاد ہی نہیں۔
اور شاید یہی وُہ حالت ہے جس کا دعویٰ صوفیائے کرام کرتے ہیں
جیسے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب وُہ مقام حال پر ہوتے ہیں اور حواس سے بے نیاز ہو کر اپنے من میں ڈوب جاتے ہیں تو وہ ان احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں جو معقولات سے مختلف ہوتے ہیں۔

اور یا شاید یہ حالت "موت" ہے۔

جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔

"الناس نیام فاذا ماتوا انتبهوا" کہ لوگ حالتِ خواب میں ہیں اور جب انہیں موت آئے گی تو وُہ بیدار ہو جائیں گے۔

اور یا شاید دنیوی زندگی اُخروی زندگی کے مقابلے میں خواب کی حیثیت رکھتی ہے اور جب انسان کو موت آتی ہے تو اس کو اشیاء اس سے مختلف نظر آتی ہیں جیسے کہ وہ انہیں زندگی میں دیکھتا ہے۔

تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے۔

فکشفنا عنک غطاءک فبصرک ترجمہ، ہم نے تجھ سے پردہ اٹھا دیا۔
الیوم حدید تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔

جب میرے دل میں یہ خیالات پیدا ہوئے اور میرے جی میں پیوست ہو گئے تو میں نے ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کام آسان نہیں تھا" کیونکہ ان کی تردید کے لئے دلیل کی ضرورت تھی اور دلیل معلومات اولیہ کو ترتیب دینے سے ہی قائم کی جا سکتی تھی، اور جب اولیات ہی مسلّم نہ رہیں تو دلیل کا قیام ناممکن ہو گیا۔

یہ بیماری سخت ہوتی گئی اور تقریباً دو ماہ تک یہی حالت رہی۔ اس حالت میں میں قال کے اعتبار سے تو نہیں البتہ حال کے اعتبار سے سوفسطائی مذہب پر تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفا بخشی اور میرا دل صحت اور اعتدال کی طرف پلٹنے لگا۔ اور میں ضروریات عقلیہ کو بلا خوفِ تردید مقبول اور قابلِ اعتماد سمجھنے لگا اور یہ تبدیلی کسی دلیل کے زور پر نہیں آئی تھی بلکہ اس کا سبب وہ نور تھا جس سے خداوندِ قدوس نے میرا سینہ منور فرما دیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وُہ نور ہے جو اکثر معارف کی کنجی ہے! اور جو شخص یہ گمان کرے کہ کشف کا دارومدار دلائل پر ہے تو گویا اس شخص نے خداوند کریم کی رحمتِ واسعہ کو تنگ کر دیا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آیتِ کریمہ " فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام [۱] " میں الشرح کے معنی دریافت کیے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

" یہ وُہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں پیدا فرماتا ہے "۔

آپ سے پوچھا گیا، یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی علامت کیا ہے۔

فرمایا :" التجافی عن دار الغرور، والانابۃ الی دار الخلود "۔

" دنیائے فانی سے مُنہ موڑ کر حیاتِ ابدی کی طرف متوجہ ہو جانا "۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہی کا ارشادِ گرامی ہے۔

ان اللہ تعالیٰ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہ۔

---

[۱] ترجمہ: جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو تاریکی میں پیدا فرمایا اور پھر ان پر اپنے انوار کی بارش کی۔

یہی وہ نور ہے جس سے کشف حاصل کرنا چاہیئے۔ اس نور کے چشمے بعض اوقات ذاتِ خداوندی سے پھوٹتے ہیں اور مومن کے لئے ضروری ہے کہ اِن بابرکت ساعتوں کی تلاش میں رہے۔

جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

" ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات، الا فتعرضوا لھا "

ترجمہ: بعض ساعتوں میں تمہارا ربِ کریم اپنی شان غفوریت سے تجلی فرماتا ہے۔ تم ان ساعتوں کی تاک میں رہا کرو۔

ان تمام حکایات سے مقصود اصلی صرف یہ ہے کہ انسان طلب و جستجو میں انتھک محنت کرے حتیٰ کہ وہ ان امور تک رسائی حاصل کرے جو عقل کی رسائی سے ماوراء ہیں۔

کیونکہ اولیات کی تلاش تو مقصود نہیں کیونکہ وہ تو حاضر ہیں اور حاضر کی جب طلب و جستجو کی جائے تو وہ مخفی ہو جاتا ہے۔ اس لئے جو شخص ان چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو عقل کی رسائی سے ماوراء ہیں تو اس کو یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ معقولات کو حاصل کرنے کی جد و جہد کیوں نہیں کرتا۔

طالبین کی اقسام

جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضلِ خاص اور رحمتِ بے پایاں سے اس مرض سے شفا بخشی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ طالبین کے چار گروہ ہیں:-

۱ متکلمین: ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اہل الرائے اور صاحبِ حکمت ہیں

۲ الباطنیہ: ان کا گمان ہے کہ وہ اصحابِ تعلیم ہیں اور وہ امام معصوم سے فیض حاصل کرتے ہیں اور یہ فیض صرف انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

۳ الفلاسفہ: ان کا گمان ہے کہ ان کے معتقدات منطق اور دلیل پر مبنی ہیں۔

۴ الصوفیہ: ان کا خیال ہے کہ وہ خاصان بارگاہِ خداوندی ہیں اور مشاہدہ اور مکاشفہ کے مقام پر فائز ہیں۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ حق ان چار اصناف سے باہر نہیں۔ کیونکہ یہ گروہ طلبِ حق کی راہ پر گامزن ہیں اور اگر ان میں سے کوئی گروہ بھی حق پر نہیں تو پھر

حق کی تلاش بے سود ہے۔ کیونکہ تقلید کو خیر باد کہنے کے بعد اب اسی کی طرف لوٹ جانا تو ناممکن ہے۔ کیونکہ مقلّد کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کو یہ علم نہ ہو کہ وہ مقلّد ہے اور جب اسے یہ پتہ چل جائے کہ وہ مقلد ہے تو پھر تقلید کا شیشہ ٹوٹنے لگتا ہے اور اس میں وہ دراڑیں اور لکیریں پڑ جاتی ہیں جن کو پُر نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ اسے آگ میں پگھلا کر نئے سانچے میں نہ ڈھالا جائے۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان فرقوں کے راستوں پر چل کر ان کے معتقدات کی چھان بین کروں گا، سب سے پہلے علم الکلام، دوسرے نمبر پر فلسفہ، پھر فرقہ باطنیہ اور آخر میں طریق صوفیاء کا مطالعہ کروں گا۔

علم الکلام

غرض و غائت

میں نے علم الکلام سے آغاز کیا، اسے حاصل کیا، سمجھا، محقق متکلمین کی تصانیف کا مطالعہ کیا، علم کلام کے متعلق کچھ کتابیں تصنیف کیں۔ بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ علم اپنا مقصد تو پورا کرتا ہے لیکن میرا مقصد پورا کرنے سے قاصر ہے

کیونکہ علمِ کلام کا مقصد اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کا تحفظ اور انہیں اہل بدعت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسولؐ کی زبانی ایک عقیدہ نازل فرمایا جو حق ہے۔ اس میں بندوں کی دینی اور دنیوی بہتری ہے اور قرآن و حدیث اس عقیدہ کی صداقت کے گواہ ہیں

پھر شیطان اہل بدعت کے ذہن میں کچھ ایسی باتیں ڈال دیتا ہے جو سنت کے مخالف ہوتی ہیں، بدعتی ان شیطانی وساوس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اور اہل حق کی نظروں میں سچے عقیدے کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے متکلمین کے گروہ کو پیدا فرمایا۔ اور ان کے دلوں میں یہ تحریک پیدا فرمائی کہ وہ سنت کی حفاظت ایسے مدلل کلام سے کریں جو اہل بدعت کی ان تلبیسات

کا پردہ چاک کر دے جو انہوں نے سنت ماثورہ کے خلاف پیدا رکھی ہیں اور اس طرح علمِ کلام اور متکلمین کا وجود عمل میں آیا۔

متکلمین کے ایک گروہ نے اس فرض کو بڑی عمدگی سے انجام دیا جو انہیں بارگاہ خداوندی سے تفویض ہوا تھا، اور انہوں نے سنّتِ رسولؐ اور رسولؐ کی زبان پر نازل ہونے والے عقیدہ حقہ کا تحفظ بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی سے کیا، اور اہل بدعت نے عقائد حقہ میں جو رخنے ڈال دیئے تھے، ان کو پُر کیا لیکن اس ساری تگ و دو میں انہوں نے ان مقدمات پر اعتماد کیا جو انہیں اپنے مخالفین سے ملے تھے اور تقلید، اجماعِ اُمت یا قرآن و احادیث کے بیان سے ان مقدمات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔

اور ان کی اکثر کوششوں کی بنیاد یہی ہوتی کہ وہ مخالفین کے ہاں مسلّم مقدمات کی روشنی میں ہی مخالفین کی تردید اور مواخذہ کریں۔

اور یہ طریق اِس شخص کے لئے قطعاً مفید نہیں جو ضروریات کے علاوہ کسی چیز کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

لہٰذا علمِ کلام میرے لئے کافی نہیں تھا اور نہ ہی یہ اس بیماری کا علاج تھا جس میں میں مبتلا تھا۔

بلکہ جب علمِ کلام پھیلا اور اس میں دلچسپی بڑھنے لگی تو متکلمین کے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ وُہ حقائقِ اُمور کی بحث کے ذریعے سنت کا دفاع کریں۔

وہ جواہر و اعراض اور انکے احکام کی بحث میں محو ہو گئے لیکن چونکہ یہ طریقہ ان کے علم کا مقصود نہیں تھا اس لئے علمِ کلام اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا اور متکلمین کی کوششیں مخلوقات کے مابین اختلافات کی تاریکیوں کو ختم کرنے میں ناکام رہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مقصد علم کلام سے کسی شخص کو بھی حاصل نہیں ہوا بلکہ مجھے اس بات میں بھی شک نہیں کہ ایک گروہ نے واقعی علم کلام سے مقصد حاصل کیا ہے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ان لوگوں نے اولیات کے سوا بعض معاملات میں علم کلام سے جو یقین حاصل کیا ہے وہ تقلید کی آمیزش سے خالی نہیں۔

یہاں میری مراد اپنی حالت بیان کرنا ہے اور جس شخص کو علم کلام سے فائدہ پہنچا ہے اس کا انکار مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف بیماریوں کے علاج مختلف ہوتے ہیں اور کتنی دوائیں ایسی ہیں جن سے کسی مریض کو تو شفا حاصل ہوتی ہے۔ لیکن وہی دوا کسی دُوسرے مریض کے لئے مضر ثابت ہوتی ہے۔

دُوسرا مقالہ

الفلسفہ

اس میں مندرجہ ذیل چیزیں قابلِ ذکر ہیں

۱ فلسفہ کیا ہے۔

۲ فلسفہ میں کونسی چیزیں قابلِ مذمّت ہیں اور کونسی قابلِ مذمّت نہیں۔

۳ فلسفہ کے کون سے اُمور کا قائل کافر ہو جاتا ہے۔

۴ وُہ امور جن کا قائل کافر نہیں ہوتا۔

۵ وُہ امور جن کا قائل بدعتی ہے۔

۶ وُہ امور جن کا قائل بدعتی نہیں ہے۔

۷ وُہ چیزیں جن کو فلاسفہ نے اہلِ حق کے کلام سے چوری کر کے اپنے کلام کے ساتھ ملا لیا ہے تاکہ اس طرح وہ اپنے باطل کو ترویج دے سکیں۔

۸ فلسفہ کے زیرِ اثر لوگ کس طرح حق سے متنفر ہوتے ہیں۔

۹ فلسفیوں کے سارے کلام سے حقائقِ حق کو کس طرح علیٰحدہ کیا جا سکتا ہے۔

علمِ کلام سے فراغت کے بعد میں نے علمِ فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔ اور مجھے اس بات کا

یقین ہو گیا کہ کوئی شخص کسی علم کی گمراہ کن باتوں سے اس وقت تک آگاہی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اس علم میں کمال حاصل نہ کرے۔ اور اس علم میں اتنا کمال حاصل نہ کرے کہ اس علم کے بڑے بڑے علماء کا مقابلہ کر سکے" بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ اس علم کی گہرائی میں جائے اور ان امور کو منکشف کرے جن تک کسی باریک بین علامہ کی نگاہ ہی جا سکتی ہے۔

اِس مقام پر پہنچ کر ہی اس علم کے متعلق اس کی تنقید کو قابلِ اعتماد سمجھا جا سکتا ہے میرا مشاہدہ ہے کہ علمائے اسلام میں سے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی متکلمین کی کتابیں جن میں انہوں نے فلاسفہ کے رد کی کوشش کی ہے۔ پیچیدہ اور متفرق کلمات سے پُر ہیں۔ ان میں باہمی تناقض واضح ہے۔ ان سے تو ایک عام ان پڑھ آدمی بھی دھوکا نہیں کھا سکتا چہ جائیکہ وہ کسی ایسے شخص کو متاثر کر سکیں جس کو علوم میں مہارت کا دعویٰ ہو تو مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کسی مذہب کو سمجھے اور اس کی تہہ تک گئے بغیر اس کا رد اور بطلان اندھیرے میں ہاتھ مارنے کے مترادف ہے۔

تو میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لئے کمر ہمت کس لی۔ میں نے اس علم کو صرف کتب کے مطالعہ سے حاصل لیا۔ کسی استاد سے مدد نہیں لی اور یہ کام میں نے علومِ شرعیہ کی تدریس و تصنیف سے فارغ اوقات میں کرنا شروع کیا۔ حالانکہ میں اس وقت بغداد میں تقریباً تین سو طلبہ کی تدریس و افادہ میں مشغول تھا۔

ان مختصر اوقات میں صرف مطالعہ ہی سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دو سال سے بھی کم عرصہ میں مجھے فلسفہ میں انتہائی درک عطا فرما دیا۔ پھر میں فلسفہ میں مسلسل غور و فکر کرتا رہا۔

ایک سال تک یہ حالت طاری رہی کہ میں فلسفہ کی تعلیمات کا تکرار کرتا رہا انہیں دہراتا رہا اور اُن کی گہرائیوں اور باریکیوں میں اترنے کی کوشش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مجھے علم ہو گیا کہ فلسفہ میں کیا چیز مکر و فریب پر مبنی ہے۔ کس چیز کی بنیاد حقیقت پر ہے اور کونسی اشیاء کی بنیاد محض تخیل ہے۔

اب فلسفہ اور اس کے علوم کی روداد سنیئے۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ فلسفیوں کی کئی قسمیں ہیں۔ ان کے علوم کی بھی کئی اقسام ہیں۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود وہ تمام کفر اور الحاد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ گو کہ ان کے متقدمین اور متاخرین، ان کے ابتدائی معتقدات اور بعد کے خیالات میں حق سے قرب اور دُوری کے معاملہ میں بہت بڑا تفاوت موجود ہے

فلاسفہ کی اقسام اور

****

ان تمام پر کفر کا اطلاق

یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ فلسفیوں کو فرقوں کی کثرت اور مذاہب کے اختلاف کے باوجود انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ - الدہریون

۲ - الطبیعیون

۳ - الالہیون -

پہلی قسم ——— الدہریون

یہ فلاسفہ متقدین کا وہ گروہ ہے جنہوں نے مُدبّر عالم اور صاحب قدرت خالق کا انکار کیا۔ ان کا یہ گمان تھا۔

(۱) کہ یہ عالم (کائنات) اسی طرح ہمیشہ سے موجود ہے اس کا کوئی بنانے والا (صانع) نہیں ہے۔

(۱) نطفہ سے حیوان کی تخلیق ہوتی رہی اور حیوان نطفہ پیدا کرتا رہا۔ یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔ فلاسفہ کا یہ گروہ زندیقوں کا

گروہ ہے

دوسری قسم ــــــ ۲۔ الطبیعیون

یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے عالمِ طبعیات میں بکثرت غور وخوض کیا، حیوانات و نباتات کے عجائبات پر بحث کی۔ حیوانات کے اعضاء کی تشریح میں بکثرت غور و فکر کیا۔

اپنے اس مطالعہ اور مشاہدہ کے دوران انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کے شاہکار دیکھے اس کی تخلیق کے عجائبات کا مشاہدہ کیا اور اس طرح وہ ایک صاحبِ حکمت خالق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ایسا صانع حکیم جو امور کی غرض و غایت سے آگاہ ہے۔

اور جو شخص بھی علم تشریح الابدان، اور منافع اعضاء کا مطالعہ کرتا ہے تو لا محالہ اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حیوان کی تخلیق اس کے خالق کی کامل تدبیر کا نتیجہ ہے اور خصوصاً انسان کی تخلیق میں تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ فلسفی (طبیعیون) طبیعات کے بکثرت مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ مزاج کے اعتدال کا قوائے حیوانی میں بہت بڑا عمل دخل ہے۔

انہوں نے خیال کیا کہ انسان کی قوتِ عاقلہ بھی مزاج کے تابع ہے اور جب مزاج بگڑ جاتا ہے تو قوت عاقلہ بھی ختم اور معدوم ہو جاتی ہے، اور جو چیز معدوم ہو جائے اس کا اعادہ خلافِ عقل ہے۔

اس سے انہوں نے یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ جب کسی چیز کو موت آتی ہے تو وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ اپنے اسی عقیدہ کے تحت انہوں نے آخرت، جنت و دوزخ، حشر و نشر، قیامت اور حساب و کتاب کا انکار کر دیا۔ ان کے ہاں نہ نیکیوں پر ثواب کا

عقیدہ رہا اور نہ برائیوں پر عذاب کا، وہ بے لگام ہو گئے اور چوپاؤں کی طرح شہواتِ نفسانی میں منہمک ہو گئے۔

یہ لوگ بھی زندیق (بے ایمان) ہیں کیونکہ ایمان تو نام ہے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کا اقرار کرنے کا اور ان لوگوں نے یومِ آخرت کا انکار کر دیا۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔

تیسری قسم ——— الالٰہیون

یہ فلاسفہ متاخرین کا گروہ ہے۔ جیسے سقراط جو افلاطون کا استاد ہے، افلاطون ارسطاطالیس کا اُستاد ہے۔ اور ارسطاطالیس (ارسطو) ہی وہ شخص ہے جس نے علمِ منطق کو ترتیب دیا۔ علوم کی چھان پھٹک کی، فلسفیوں کے لئے وہ چیزیں تحریر کیں۔ جو پہلے تحریر نہیں ہو سکی تھیں اور فلسفیوں کے جو علوم تشنۂ تکمیل تھے۔ انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

فلاسفہ الٰہیہ نے پہلے دونوں گروہوں، دھریہ اور طبیعیہ کا انکار کیا اور ان کے معائب کا پردہ اس عمدگی سے چاک کر دیا کہ دوسرے لوگ ان کی تردید سے بے نیاز ہو گئے۔

ان کی اس جنگ کی وجہ سے " وکفی اللہ المومنین القتال " اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس جنگ سے بے نیاز کر دیا۔

پھر ارسطو نے، سقراط، افلاطون اور دیگر الٰہیین کی تردید کی اور اس تردید میں اس حد تک پہنچا کہ ان تمام سے اپنی برأت کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود ارسطو کے عقائد میں (الٰہیہ) کے عقائد کفریہ میں سے چند چیزیں باقی رہ گئیں جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اسے توفیق نہ ہوئی اس لئے ان سب فلسفیوں اور ان کے گروہ مثلاً اسلامی

فلاسفہ میں سے فارابی اور ابنِ سینا وغیرہ کی تکفیر لازم آتی ہے۔

حالانکہ ارسطو کے علم کو اسلامی فلاسفہ میں سے کسی نے بھی اس طرح نقل نہیں کیا جیسا کہ ان دونوں (فارابی اور ابنِ سینا) نے نقل کیا ہے! ور ان دونوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جو چیزیں نقل کی ہیں ان میں اس قدر خلط مبحث اور پیچیدگی ہے کہ قاری پریشان ہو کر رہ جاتا ہے! ور کچھ سمجھ نہیں پاتا! ور جو چیز سمجھ ہی نہ آئے اس کو رد یا قبول کیسے کیا جا سکتا ہے۔

ان دونوں آدمیوں (فارابی اور ابن سینا) کی نقل سے ارسطو کی جو تعلیمات ہمارے نزدیک صحیح ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وُہ چیزیں جن سے اس کی تکفیر لازم ہے۔

۲۔ وُہ چیزیں جن سے وہ بدمذہب ٹھہرتا ہے

۳۔ وہ چیزیں جن کا انکار قطعاً ضروری نہیں۔

ہم ان چیزوں کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔

ان کے علوم کی قسمیں

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ ہمارے مطالعہ کے مدعا کے لحاظ سے ان کے علوم کی چھ قسمیں ہیں۔

ریاضیات، منطق، طبیعیات، الہیات، سیاسیات، خلقیات

۱ ریاضیات

اس کا تعلق، حساب، ہندسہ اور عالم کی حقیقت سے ہے اور ان میں سے کسی چیز کا اُمورِ دینیہ کے اثبات و انکار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ برہانی اُمور ہیں ان کو سمجھ لینے کے بعد ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس علم سے دو مصیبتیں پیدا ہوئی ہیں۔

پہلی آفت

اس علم سے پہلی مصیبت یہ پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص اس میں غور و فکر کرتا ہے وہ اس کے دلائل کی قوت اور اس کی باریکیوں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے اور اسی وجہ سے فلسفیوں کے متعلق وہ اچھا عقیدہ قائم کر لیتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ فلسفیوں کے

تمام علوم، وضاحت اور دلائل کی قوت کے لحاظ سے اسی قسم کے ہوتے ہیں پھر وہ شخص لوگوں کی زبانی فلسفیوں کی کفریات اور لغویات اور شریعت کی توہین کی باتیں سنتا ہے۔ اور محض اندھی تقلید کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور کہنے لگتا ہے۔ اگر دین حق ہوتا تو وہ ان لوگوں پر مخفی نہ رہتا جو اس علم میں اتنا اونچا مقام رکھتے ہیں اور جب وہ یہ سنتا ہے کہ یہ گہری نظر رکھنے والے فلسفی دین کا انکار کرتے ہیں تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ دین کا انکار کرنا ہی حق اور راہ راست ہے۔ اس وجہ سے کتنے ہی لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اور جب فلسفہ سے متاثر اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص کسی ایک فن میں ماہر ہو وہ سارے ہی فنون میں ماہر ہو۔

یہ ضروری نہیں کہ فقہ اور کلام کا ماہر ایک ماہر طبیب بھی ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو علوم عقلیہ کو نہیں جانتا وہ نحو سے بھی نابلد ہو۔ بلکہ ہر فن کے ایسے ماہرین گزرے ہیں جو اپنے فن میں کمال اور عروج تک پہنچے ہیں۔ اگرچہ اس مخصوص فن کے سوا دیگر شعبوں میں "احمق اور جاہل ہی نظر آتے ہوں۔

اس لئے فلاسفہ متقدین کا کلام، ریاضیات میں برہانی ہے اور الٰہیات میں تخمینی ہے اور یہ حقیقت اسی شخص پر منکشف ہو سکتی ہے جو اس کا تجربہ کرے اور اس کی گہرائی میں اتر کر دیکھے، لیکن یہ باتیں جب اس شخص کے کانوں تک پہنچتی ہیں جو تقلید کے دام میں گرفتار ہے تو اس کے دل پر کچھ اثر نہیں کرتیں، بلکہ خواہشات کا غلبہ تعصّب اور اپنی فطانت کا گمان اسے مجبور کرتا ہے کہ فلاسفہ کے متعلق تمام علوم میں حسن ظن رکھے۔

یہ بہت بڑی مصیبت ہے اس لیے جو شخص ان علوم میں منہمک ہو جائے اسے منع کرنا چاہیئے کیونکہ باوجود اس کے کہ یہ علم امورِ دین سے متعلق نہیں لیکن چونکہ علوم فلسفہ کے مبادیات میں سے ہے اس لئے اس تک ان کا شر پہنچ جاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اس علم میں منہمک ہوئے ہوں اور دین کا طوق بھی ان کی گردن سے علیحدہ نہ ہوا ہو اور وہ تقویٰ کی رسی سے آزاد نہ ہوئے ہوں۔

دوسری آفت

دوسری آفت اسلام کے جاہل دوست کی پیدا کردہ ہے۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ نصرتِ دین کا تقاضا یہی ہے کہ جو علم بھی فلسفیوں کی طرف منسوب ہو اس کا انکار کر دیا جائے! اور وہ فلاسفہ کے تمام علوم کا انکار کر دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جاہل ہیں حتیٰ کہ چاند اور سورج کے گرہن کے متعلق فلاسفہ کے اقوال کی بھی وہ تردید کر دیتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ فلسفی کہتے ہیں وہ شریعت کے خلاف ہے جب اس جاہل آدمی کا یہ انکار اس شخص تک پہنچتا ہے جو ان چیزوں کو دلائلِ قطعیہ کی روشنی میں جانتا ہے تو اسے اپنی دلیل میں تو کوئی شک پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ اسلام جہالت اور دلائل قطعیہ کے انکار پر مبنی ہے اور اس طرح اس کے دل میں فلسفہ سے محبت اور اسلام سے نفرت میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے وہ شخص اسلام پر بہت بڑا ظلم کرتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ نصرتِ حق ان علوم کے انکار ہی کا نام ہے۔ حالانکہ شریعت میں ان علوم کی نفی و اثبات کے متعلق کوئی حکم موجود نہیں اور نہ ہی یہ امورِ دینیہ سے تعرض کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ترجمہ

"سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی بھی شخص کی موت یا زندگی سے گرہن نہیں لگتا اور جب تم یہ گرہن دیکھو تو اللہ تبارک تعالیٰ اور نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ"۔

اس میں علم حساب کا انکار نہیں جس سے سورج اور چاند کے چلنے، اکٹھا ہونے اور ایک مخصوص صورت میں ایک دوسرے کے مقابل آنے کا پتہ چلتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول:۔ ترجمہ

"جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تجلی فرماتا ہے تو وہ اُس کے سامنے جھک جاتی ہے"۔

حدیث شریف میں یہ زیادتی صحاح میں سے کسی کتاب میں نہیں ملتی۔

یہ تھا علمِ ریاضی اور اس سے پیدا ہونے والی مصیبت کا بیان۔

(۲) منطق

اس علم کا بھی انکار یا اقرار کے لحاظ سے دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس میں تو اس چیز سے بحث کی جاتی ہے کہ دلائل اور قیاسات کے طریقے کیا ہیں۔ برہان کے مقدمات کی شرطیں کیا ہیں اور ان کو کس طرح ترتیب دیا جاتا ہے۔ "حد صحیح" کی شرائط کیا ہیں اور اس کی ترتیب کی کیفیت کیا ہے اور یہ کہ علم یا تو تصور ہو گا اور یا تصدیق۔ تصوّر کی معرفت حد سے اور تصدیق کی معرفت برہان سے حاصل ہوتی ہے۔

اور ان میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کا انکار ضروری ہو بلکہ یہ تو وہی چیزیں ہیں جنہیں متکلمین اور اہل نظر نے دلائل کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔ فرق صرف عبارات اور اصطلاحات کا ہے اور یا تعریفات و تفریعات میں مزید غور و فکر کرنے کا مثلاً متکلمین کہتے ہیں۔

کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہر (ا) (ب) ہے تو یہ ضروری ہے کہ بعض (ب) (ا) ہو۔

یعنی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہر انسان حیوان ہے تو ضروری ہے کہ بعض حیوان انسان ہوں۔

اور اسی چیز کو مناطقہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوتا ہے۔

اور ان چیزوں کا ضروریات دین سے کیا تعلق ہے کہ ان کا اقرار یا انکار کیا جائے اور اگر کوئی شخص انکار کرے تو اس سے حاصل صرف یہ ہو گا کہ اہل منطق انکار کرنے والے کے دین کے متعلق بدگمان ہو جائیں گے۔ جس دین کو وہ ان چیزوں کے انکار پر موقوف سمجھتا ہے۔

لیکن اس حقیقت کے باوجود منطق میں کچھ غلط چیزیں بھی موجود ہیں اور وہ یہ کہ مناطقہ برہان کے لئے ایسی شرطیں مقرر کرتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں لیکن جب مقاصد دینیہ کی باری آتی ہے تو وہ ان شروط کو پورا نہیں کر سکتے بلکہ اس میں مجرمانہ تساہل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص منطق کو پسند کرتا ہے اور اس کے دلائل کو واضح سمجھتا ہے وہ یہ گمان کرنے لگ جاتا ہے کہ مناطقہ سے جو کفریات منقول ہیں ان کی تائید میں بھی اسی قسم کے واضح دلائل موجود ہیں اور اس طرح وہ علومِ الٰہیہ تک پہنچنے سے پہلے ہی کفر کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

اور یہ مصیبت اِسی علم (منطق) کی پیدا کردہ ہے۔

(۳) علمِ طبیعیات؛

اس علم میں عالمِ سمٰوٰت، ستاروں اور ان کے تحت جو اجسام مفردہ ہیں، مثلاً پانی ہوا، مٹی اور آگ، اور اجسام مرکبہ جیسے حیوانات، معدنیات اور معدنیات سے بحث کی جاتی ہے۔ اور ان چیزوں میں تغیر، استحالہ اور امتزاج کے اسباب زیرِ بحث آتے ہیں اور یہ ایسے ہے جیسے علمِ طب میں انسانی جسم اسکے اعضاءِ رئیسہ اور خادمہ اور ان کے مزاج کے استحالہ کے اسباب سے بحث کی جاتی ہے۔

اور جس طرح علمِ طب کا انکار شرائطِ دین میں سے نہیں اسی طرح اس علم (طبیعیات) کا انکار بھی دین کی شرائط میں سے نہیں ہے سوائے ان متعیّن مسائل کے جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" میں کر دیا ہے اور ان کے علاوہ چند دوسرے مسائل جن میں اس علم کی مخالفت ضروری ہے، اور ذرا تامّل سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان مسائل کا ذکر بھی ضمناً ہماری کتاب میں آگیا ہے۔

مختصر یہ کہ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ طبیعت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ خود بخود کچھ نہیں کرتی، بلکہ اس کا خالق اسے جس طرح استعمال کرتا ہے وہ اسی طرح کام کرتی ہے۔

سورج، چاند، ستارے اور طبائع حکم خداوندی کے تابع ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتی

(۴) الٰہیات؛

یہی وہ علم ہے جس میں فلاسفہ نے بکثرت ٹھوکریں کھائی ہیں اس مقام پر وہ براہین میں وہ شرطیں پوری نہ کر سکے جو انہوں نے علمِ منطق میں مقرر کی تھیں، اسی لئے

اس سلسلہ میں ان کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ارسطو کا مذہب جس کو فارابی اور ابن سینا نے نقل کیا ہے اسلامیین کے مذاہب کے قریب ہے۔

وہ جملہ مسائل جن میں انہوں نے غلطی کی ہے ان کو بیس (۲۰) اصول میں منحصر کیا جا سکتا ہے' ان میں سے تین (۳) میں تو ان کی تکفیر ضروری ہے اور سترہ (۱۷) میں انکو بدعتی اور فاسق قرار دینا ضروری ہے۔

ان بیس مسائل میں انکی تردید کے لئے ہم نے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جس کا نام "تہافتہ الفلاسفہ" ہے۔

وہ تین مسائل جن میں انکی تکفیر لازمی ہے ان میں انہوں نے تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

(۱) مرنے کے بعد جسموں کو نہیں اٹھایا جائے گا اور ثواب اور عذاب صرف ارواح کو ہو گا اور ثواب و عذاب روحانی ہو گا جسمانی نہیں۔ روحانیت کے اقرار میں تو فلسفی سچے ہیں کیونکہ یہی حق ہے' لیکن جسمانیت کے انکار میں وہ جھوٹے ہیں اور اپنے اس قول سے وہ شریعت کے منکر قرار پاتے ہیں۔

(۲) فلسفی کہتے ہیں۔

"اللہ تعالی کلیات کا عالم ہے' جزئیات کا نہیں"۔

اور یہ بھی صریح کفر ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں کا کوئی ذرہ بھی علم خداوندی سے باہر نہیں۔

(۳) فلسفی کہتے ہیں ..... جہان (عالم) قدیم اور ازلی ہے[۵]۔ لیکن کوئی مسلمان بھی

---

[۵] یعنی حادث نہیں اور ہمیشہ سے یونہی چلا آ رہا ہے۔

ان چیزوں کا معتقد نہیں ہے۔

اور پھر فلسفی صفات کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوند کریم اپنی ذات ہی سے علیم ہے اور اس کی صفتِ علم اس کی ذات کا غیر نہیں اور اسی قسم کی دوسری چیزیں یہ وہ چیزیں ہیں جن میں فلاسفہ کا مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب ہے اور ان چیزوں میں معتزلہ کی تکفیر واجب نہیں۔

ہم نے اپنی کتاب "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں اس آدمی کی رائے کو غلط ثابت کیا ہے جو اپنے مذہب کے مخالف ہر چیز پر فوراً کفر کا فتویٰ جڑ دیتا ہے۔

(۵) سیاسیات:

اس علم میں وہ چیزیں زیر بحث آتی ہیں جن کا تعلق دنیوی امور اور جہانبانی کی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہوتا ہے اور ان چیزوں کا ماخذ یا تو انبیاء کرام علیہم وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہونے والی الہامی کتابیں ہیں اور یا وہ حکمتیں جو انبیاء سابقین علیہم وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں۔

(۶) علم الکلام:

اس علم میں فلاسفہ کی گفتگو، نفس کی صفات، اخلاق، ان کے انواع واجناس کے بیان، اور نفس کے مجاہدہ کی کیفیت کے ذکر پر منحصر ہوتی ہے اور یہ چیزیں انہوں نے صوفیاء کے کلام سے اخذ کی ہیں اور صوفیا وہ لوگ ہیں جو یادِ الٰہی میں منہمک ہیں، مخالفت نفس ان کا شعار ہے۔ دنیوی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر خدا کے راستے پر گامزن ہیں مجاہدات کے دوران نفس کے عیب اور خوبیاں ان پر ظاہر ہو جاتی ہیں اور نفس کے اعمال کی آفتیں ان کے سامنے منکشف ہو جاتی ہیں۔ صوفیاء نے ان چیزوں کو صراحت سے

بیان فرما دیا ہے۔

فلاسفہ نے ان چیزوں کو اپنے کلام میں شامل کر لیا تاکہ ان کے ذریعہ ان کے باطل معتقدات رواج پاسکیں۔

ان (فلسفیوں) کے زمانہ میں بھی اللہ والوں کا یہ گروہ موجود تھا بلکہ یہ لوگ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی دور میں بھی زمین کو ان کے وجود سے محروم نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہی لوگ تو زمین کا ستون ہیں۔ ان ہی کے وسیلہ سے اہلِ دنیا پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں موجود ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انہی لوگوں کے وسیلہ سے تم پر بارشیں نازل ہوتی ہیں اور انہی کے واسطہ سے تمہیں رزق ملتا ہے۔ اصحاب کہف انہی لوگوں میں سے تھے۔"

قرآن کریم کے مطابق یہ گروہ پہلے زمانوں میں بھی موجود ہوتا تھا۔

فلسفیوں کے انبیاء اور اولیاء کرام کے کلام کو اپنے کلام سے ملا لینے سے دو آفتوں نے جنم لیا۔

(۱) وہ آفت جو انکار کرنے والے پر نازل ہوتی ہے۔

(۲) وہ آفت جو قبول کرنے والے پر نازل ہوتی ہے۔

(۱) انکار کرنے والے پر جو آفت نازل ہوتی ہے وہ بہت خطرناک ہے کیونکہ کم عقل لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ چیزیں چونکہ فلسفیوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور فلسفیوں کے غلط اعتقادات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے

اور ان کا ذکر تک نہ کیا جائے بلکہ جو بھی ان چیزوں کا ذکر کرے اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ ان چیزوں کو انہوں نے پہلی دفعہ فلسفیوں ہی کی زبانی سُنا تھا۔ اس لئے ان کی کمزور عقلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ چیزیں غلط ہیں کیونکہ ان کو بیان کرنے والے باطل ہیں۔

جس طرح کوئی شخص کسی عیسائی سے سنتا ہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ عیسیٰ رسول اللّٰہ، تو اس کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نصرانیوں کا قول ہے اور ذرا توقف کرکے یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتا کہ آیا عیسائی یہ کلمہ پڑھنے کی وجہ سے کافر ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے اور اگر عیسائی کے کفر کی بنیاد صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار ہے تو ضروری نہیں کہ عیسائی کی مخالفت ان باتوں میں بھی کیجائے جنہیں وہ حق سمجھتا ہو اور فی نفسہ وہ چیزیں حق ہی ہوں۔

یہ کم عقل لوگوں کی عادت ہے کہ وہ لوگوں کے ذریعہ حق کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ حق کے ذریعہ لوگوں کو پہچاننے کی۔

عقل مند آدمی تو اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کی پیروی کرتا ہے۔

"حق کو لوگوں کے ذریعہ نہ پہچانو! بلکہ حق کی معرفت حاصل کرو۔ اہل حق خود بخود تمہیں نظر آجائیں گے۔"

صاحب بصیرت شخص حق کو سمجھتا ہے اور پھر کسی قول کا تجزیہ کرتا ہے اور اگر وہ قول حق ہو تو اسے قبول کر لیتا ہے خواہ اس کا قائل اہل حق میں سے ہو یا اہل باطل

میں سے۔ بلکہ عقلمند آدمی تو بعض اوقات کوشش کرتا ہے کہ گمراہ لوگوں کے اقوال سے حق کی بات کو حاصل کرے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سونا مٹی کی تہہ کے نیچے ہی سے ملتا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک ماہر جوہری کسی حیلہ گر کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر کھوٹے اور بیکار سونے سے اصلی اور خالص سونا نکال لے کیونکہ اپنی بصیرت کی بناء پر اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ خالص سونے کی پہچان میں دھوکا نہیں کھائے گا۔

ہاں البتہ کم علم دیہاتی کو حیلہ گر کے چکروں سے باز رکھنا چاہیئے نہ کہ ایک ماہر جوہری کو، اسی طرح ایک اناڑی آدمی کو تو ساحل سمندر پر جانے سے منع کرنا چاہیئے لیکن فن تیراکی کے ماہر کو روکنے کی ضرورت نہیں اور سانپ کو چھونے سے ایک بچے کو تو منع کرنا چاہیئے لیکن ماہر سپیرے کو یہ مشورہ دینے کی ضرورت نہیں۔

لیکن حیرت تو اس بات پر ہے کہ اب اکثر لوگ اپنی ذات کے متعلق یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بڑے ہوشیار اور ماہر ہیں حق کو باطل سے اور ہدایت کو گمراہی سے اپنی عقل کے زور پر تمیز کر سکتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تمام لوگوں کو گمراہ لوگوں کی کتابوں کے مطالعہ سے روکا جائے کیونکہ جو لوگ ان کتابوں کے مطالعہ میں منہمک ہو گئے وہ اگرچہ مذکورہ بالا آفت سے تو بچ سکتے ہیں لیکن اس دوسری آفت سے ان کا محفوظ رہنا مشکل ہے جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے۔

اسرار علوم دین کے متعلق ہماری تصانیف کے بعض کلمات پر چند ایسے لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں جو ان علوم کو نہیں سمجھتے اور ان کی نظریں مذاہب کی غایات تک نہیں پہنچ سکتیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلمات فلاسفہ متقدمین کے کلام سے ماخوذ ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کلمات میں سے بعض تو میری اپنی فکر کا نتیجہ ہیں اور

یہ بعید از قیاس نہیں کہ ایک راہ رو کا قدم وہیں پڑے جہاں پہلے بھی کسی مسافر نے قدم رکھا تھا۔

ان کلمات میں سے بعض تو کتب شرعیہ میں موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کا مفہوم کلام صوفیاء سے ماخوذ ہے اور اگر بالفرض یہ کلمات صرف فلاسفہ ہی کے کلام میں پائے جاتے ہوں، لیکن درحقیقت ہوں معقول اور ان کی تائید میں دلائل بھی موجود ہوں، اور قرآن و سنّت کے مخالف بھی نہ ہوں تو کیا یہ ضروری ہے کہ ان کلمات کو نظر انداز اور ترک کر دیا جائے؟

اگر ہم نے یہ دروازہ کھول دیا اور اس راستہ پر چل نکلے کہ ہر اس حق کو ٹھکرا دیا جائے جو پہلے کسی باطل پرست کے ذہن میں بھی آ چکا ہے تو پھر ضروری ہو جائیگا کہ ہم بہت سی حق باتوں کو ٹھکرا دیں۔

اس صورت میں ہمارے لئے ضروری ہو جائے گا کہ ہم قرآن حکیم کی تمام آیات احادیث مبارکہ، حکایات سلف صالحین، حکماء اور صوفیاء کے کلام کو ٹھکرا دیں کیونکہ کتاب "اخوان الصفا" کے مصنف نے ان چیزوں کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ان سے استشہاد کیا ہے اور ان کے ذریعے جاہل لوگوں کے دلوں کو باطل کیطرف متوجہ کرنیکی کوشش کی ہے۔

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اہل باطل حق کو اپنی کتابوں میں بیان کر دیں گے اور اس طرح حق کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیں گے اور ایک عالم کا معیار کم از کم اتنا تو ہونا چاہیئے کہ وہ ایک عام جاہل شخص سے ممتاز ہو سکے اور اگر شہد کو حجّام کے برتن میں دیکھے تو اس سے نفرت کرنا شروع نہ کر دے اور اس حقیقت کو سمجھ جائے

کہ جرّاح کا برتن شہد کی اصلیت کو نہیں بدل سکتا، کیونکہ اس سے نفرت کی وجہ ایک عام شخص کی جہالت ہے جس کی بنیاد اس غلط مفروضے پر ہے کہ جرّاح کا برتن غلیظ خون کے لئے بنایا گیا ہے اور وہ جاہل شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خون اس لئے غلیظ ہے کیونکہ وہ جرّاح کے برتن میں ہے اور یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خون اپنے ذاتی وصف کی بناء پر غلیظ ہے اور چونکہ وہ وصف شہد میں ذاتی طور پر موجود نہیں اس لئے اس برتن میں ڈالے جانے سے شہد میں وہ وصف پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس کو غلیظ سمجھنا صحیح نہیں۔ یہ محض غلط وہم ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ اکثر لوگ اسی وہم میں مبتلا ہیں۔ اس لئے کسی کلام کی نسبت آپ کسی ایسے شخص کی طرف کر دیتے ہیں جسے وہ اچھا سمجھتے ہیں تو وہ اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں خواہ یہ بات غلط ہی کیوں نہ ہو اور اگر آپ کسی بات کی نسبت ایسے شخص کیطرف کر دیتے ہیں جسے وہ بُرا سمجھتے ہیں تو وہ اس بات کو ٹھکرا دیں گے خواہ وہ بات حق ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے لوگوں نے حق کو لوگوں کے ذریعہ سمجھنا شروع کر دیا ہے اور لوگوں کو حق کے ذریعے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور یہی گمراہی کی انتہا ہے۔

یہ تو تھی اس علم کا انکار کرنے سے پیدا ہونے والی آفت۔

(۲) وہ آفت جو اسے قبول کرنے پر نازل ہوتی ہے۔

جو شخص فلاسفہ اخلاقیین کی کُتب "اخوان الصفا" وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے اور ان میں حکمِ انبیاء اور کلماتِ صوفیاء کو دیکھتا ہے جن کو انہوں نے اپنے کلام کے ساتھ شامل کر لیا ہے تو وہ انہیں اچھا سمجھ کر قبول کر لیتا ہے اور ان کے متعلق حسن اعتقاد رکھنا شروع کر دیتا ہے اور اس حسن ظن کی وجہ سے وہ فلاسفہ کی ان غلط

باتوں کو بھی تسلیم کر لیتا ہے جو ان اچھی چیزوں کے ساتھ خلط ملط کر دی گئی ہیں اور اس طرح وہ باطل کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔

اسی آفت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو فلاسفہ کی کُتب کے مطالعہ سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ ان کے مطالعہ سے لوگوں کے دھوکا کھا جانے کا اندیشہ ہے۔

اس لئے جس طرح تیراکی سے ناآشنا آدمی کو ساحل کی پھسلن سے دُور رکھنا ضروری ہے اسی طرح لوگوں کو ان کی کُتب کے مطالعہ سے باز رکھنا ضروری ہے۔

اور جس طرح بچوں کو سانپوں کو چھُونے سے منع کرنا ضروری ہے اسی طرح کانوں کو ان خلط ملط کلمات کے سننے سے بچانا ضروری ہے۔

اور جس طرح ایک ماہر سپیرے کے لئے ضروری ہے کہ وُہ اپنے کم سِن بچے کے سامنے سانپ کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ بچہ بھی اس کی پیروی کرے گا اور سمجھے گا کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ہے۔

بلکہ سپیرے کے لئے ضروری ہے کہ وُہ بچے کو اس سے ڈرائے اور یہ ظاہر کرے کہ وُہ بھی سانپ سے ڈرتا ہے اور بچے کے سامنے سانپ کو ہاتھ نہ لگائے۔

اسی طرح ایک عالم شخص کے لئے ضروری ہے کہ وُہ بھی لوگوں کو اس آفت سے بچانے کے لئے ان کے سامنے ان کُتب کا مطالعہ نہ کرے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح ایک ماہر سپیرا سانپ کو پکڑتا ہے اور اپنی مہارت سے سمجھ جاتا ہے کہ اس میں زہر کیا ہے اور تریاق کیا ہے وُہ تریاق نکال لیتا ہے اور زہر کو پھینک دیتا ہے اور جب کسی شخص کو تریاق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے

تو وُہ بخوشی اسے تریاق دے دیتا ہے یا جس طرح ایک ماہر جوہری حیلہ گر کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر اس سے خالص سونا نکال لیتا ہے اور کھوٹے سکے پھینک دیتا ہے اور جب کسی شخص کو خالص سونے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اسے سونا دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا۔ بعینہ یہی حالت ایک عالم کی ہونی چاہیئے کہ وُہ فلاسفہ کی کتب کا مطالعہ کر کے حق اور باطل میں تمیز کرے اور حق کے متلاشیوں کو حق بات بتانے میں بخل سے کام نہ لے۔

اور جس طرح اگر کوئی تریاق کا محتاج تریاق قبول کرنے سے صرف اس لئے انکار کر دے کہ وُہ سانپ سے نکلا ہے جو زہر کی جگہ ہے تو اسے سمجھانا ضروری ہے اور اگر کوئی مال کا ضرورت مند سونا لینے سے محض اس لئے انکار کر دے کہ وُہ حیلہ گر کی تھیلی سے نکالا گیا ہے تو اسے بھی تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ اس مال سے اس کی نفرت محض جہالت ہے اس کے لئے مقصد سے محرومی کا سبب ہے۔

اسے یہ سمجھانا ضروری ہے کہ خالص سونا کھوٹے سکوں کے ساتھ اکٹھا ہونے سے کھوٹا نہیں ہو جاتا جس طرح کہ کھوٹا سکہ اگر سونے کے پاس پڑا رہے تو سونا نہیں بن جاتا اور یہی حال حق اور باطل کا ہے۔

کہ حق اور باطل کے ایک دُوسرے کے نزدیک ہونے سے نہ حق باطل ہو جاتا ہے اور نہ باطل حق۔ یہ تھا فلاسفہ کی آفتوں اور مصائب کا بیان۔

مذہبِ اہلِ تعلیم اور اُس کی آفت

جب میں فلسفہ کو پڑھنے، سمجھنے اور پرکھنے سے فارغ ہوا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ علم بھی میرا مقصد اور مدعا پورا نہیں کرتا اور یہ کہ عقل تمام مطالب کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی وُہ تمام مشکلات کا حل بتا سکتی ہے۔

اس دُور میں اہلِ تعلیم کا بہت شہرہ تھا، لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہ لوگ امور کے معانی و حقائق کو امامِ معصوم (جو حق کے ساتھ قائم ہیں) سے حاصل کر کے بیان کرتے ہیں۔

میرے ذہن میں خیال آیا کہ ان کے اقوال کو پرکھوں تاکہ مجھے پتہ چلے کہ ان کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

پھر اتفاق ایسا ہوا کہ مجھے دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں ان لوگوں کے مذہب کی حقیقت کی وضاحت ہو میں اس حکم سے سرتابی نہ کر سکا۔ بلکہ یہ حکم میرے لئے ایک خارجی محرّک ثابت ہوا۔ جس سے اصلی اور باطنی محرک کو تقویت ملی۔ میں نے ان کی کتابوں اور مقالات کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

میرے علم میں اس گروہ کی چند نئی باتیں آچکی تھیں جو معاصرین کے ذہن کی پیداوار تھیں اور ان کے اسلاف سے مروج طریقے پر منقول نہیں تھیں۔ میں نے ان کلمات کو جمع کیا اور ان کو تحقیق کے انداز میں عمدگی سے ترتیب دیا اور پھر بڑی محنت سے اُن کا جواب دیا۔

بعض اہلِ حق نے میرے اس طرزِ عمل پر اعتراض کیا اور کہا کہ میں ان لوگوں کے دلائل کو بیان کرتے میں مبالغہ کر رہا ہوں اور یہ ایک ایسی کوشش ہے جس کا فائدہ انہی کو پہنچے گا کیونکہ اگر میری تحقیقات نہ ہوتیں تو وُہ اپنے مذہب کے شبہات کو اس عمدگی سے ثابت نہ کر سکتے۔

اہلِ حق کا یہ اعتراض ایک لحاظ سے حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے معتزلہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی تو حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پر اعتراض کیا۔

حضرت حارث نے کہا:

"بدعت کی تردید فرض ہے"

حضرت احمد بن حنبل نے جواب دیا:

"یہ صحیح ہے۔ لیکن آپ نے پہلے معتزلہ کے شبہات کو بیان کیا ہے اور پھر ان کا جواب دیا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص ان شبہات کا مطالعہ کرے اور وہ اس کے دل میں اتر جائیں اور جواب کیطرف وُہ متوجہ ہی نہ ہو اور اگر جواب کی طرف متوجہ ہو تو اسے سمجھ ہی نہ سکے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان حق ہے لیکن ان شبہات کے بارے میں

جو مشہور نہیں ہوئے لیکن جو شبہات عام اور مشہور ہو چکے ہیں ان کا جواب واجب ہے
اور جب تک کسی اعتراض کو بیان نہ کیا جائے اس کا جواب ممکن ہی نہیں۔
ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ ان شبہات کے بیان میں تکلّف سے کام نہیں لینا چاہیئے
اور میں یہ وضاحت کر دوں کہ میں نے اس سلسلہ میں قطعاً تکلف سے کام نہیں لیا اور اپنی
طرف سے شبہات گھڑنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ میں نے ان شبہات کو اپنے بعض دوستوں
سے سُنا تھا اور ان میں سے بعض ایسے تھے جو اہل تعلیم کے رفیق مذہب رہ چکے ہیں۔
ایسے ہی ایک دوست نے مجھے بتایا کہ اہل تعلیم ان لوگوں پر ہنستے ہیں جنھوں نے ان کے رد
میں کتابیں تصنیف کی ہیں، اور کہتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے دلائل کو سمجھا ہی نہیں
جواب کیا خاک دیں گے۔
میرے اس دوست نے میرے سامنے اہل تعلیم کے دلائل انہیں کی زبانی بیان کئے۔
میں یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ میرے متعلق بھی یہی گمان کیا جائے کہ میں نے ان کے
دلائل کے سلسلہ میں غفلت برتی ہے۔ اس لئے میں نے ان کے دلائل کو بیان کر دیا اور نہ میں
یہ چاہتا تھا کہ میرے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ میں نے ان کے دلائل کو سُنا تو ہے سمجھا نہیں
اسی لئے میں نے ان کے دلائل کی تقریر انہی کے منشار کے مطابق کر دی۔
مقصد یہ ہے کہ میں نے پہلے ان کے شبہات کو پورے زور و شور سے بیان کیا ہے
اور پھر ان کی تردید میں دلائل کا سارا زور صرف کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ اس گروہ اور ان کے
کلام سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اگر ہمارے جاہل دوست اس گروہ کی مدد نہ کرتے تو یہ
بدعت اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس درجہ تک پہنچ ہی نہ سکتی۔ لیکن بُرا ہو تعصّب کا۔
اسی تعصّب کی بنار پر حق کے حامیوں نے ان لوگوں کے ساتھ ان کے کلمات کے مقدمات کے

سلسلہ میں طویل بحثیں کیں اور جو کچھ بھی ان کی زبان سے سُنا اس کا انکار کر دیا حتیٰ کہ حامیانِ حق نے ان کے اس دعویٰ کو بھی ردّ کر ڈالا کہ "تعلیم اور معلّم ضروری ہیں" اور یہ کہ "ہر معلّم تعلیم کی اہلیت نہیں رکھتا بلکہ معصوم معلّم کا وجود ضروری ہے"

تعلیم اور معلّم کی ضرورت کے سلسلہ میں اہلِ تعلیم کے دلائل مضبوط تھے اور ان کے مخالفین کے دلائل کمزور، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا ایک گروہ اس صورت حال سے دھوکا کھا گیا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ دلائل کی اس جنگ میں اہلِ تعلیم کی فتح کا سبب یہ ہے کہ ان کا مذہب سچا ہے اور ان کے مخالفین کا مذہب جھوٹا،

وُہ بیچارے یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ اس کا سبب حامیانِ حق کی کمزوری اور ان کا اپنے مذہب کو نہ سمجھنا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم معلّم کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ معلّم کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن ہم کہتے کہ ہمارے معلّم معصوم حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں۔

اب وُہ اگر یہ کہیں کہ!

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو انتقال ہو چکا ہے"

تو ہم کہیں گے!

"تمہارے معلّم غائب ہیں"

اگر وُہ کہیں کہ!

"ہمارے معلّم نے داعیوں کو علم سکھا کے دُنیا میں پھیلا دیا ہے، اور باہمی اختلاف یا کوئی مشکل پیش آجانے کی صورت میں وُہ امام غائب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امام غائب ان کے منتظر رہتے ہیں"

توہم کہیں گے :

"ہمارے معلّم نے داعیوں کو علم سکھایا اور انہیں دنیا میں پھیلا دیا اور تعلیم کو مکمل کر دیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الایۃ

ترجمہ : آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا" اور جب تعلیم مکمل ہو جائے تو معلّم کا وصال اسی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح اس کے غائب ہو جانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

اب رہا ان کا یہ قول :

"جو چیزیں تم نے نہیں سنیں ان کے متعلق کیا فیصلہ کرو گے ؟ آیا نص سے تو نص تو تمہارے پاس موجود نہیں یا اجتہاد اور رائے سے۔ تو اس میں غلطی کا امکان ہے۔

ان کے سوال کے جواب میں ہم کہیں گے !

ہم وہی کچھ کریں گے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجا تھا۔ اور وہ یہ کہ جب ہمارے پاس نص موجود ہو گی تو ہم نص کے مطابق فیصلہ کریں گے اور اگر نص موجود نہ ہوئی تو ہم اجتہاد سے کام لیں گے۔ بلکہ ہم وہی کچھ کریں گے جو ان کے داعی کرتے ہیں جب کہ وہ امام سے بہت دور کسی شہر میں ہوتے ہیں کیونکہ وہ نص سے تو فیصلہ کر نہیں سکتے کیونکہ نصوص محدود اور متناہی ہیں اور حوادث و امور غیر متناہی اور داعی کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ہر واقعہ کے سلسلہ میں امام کے دور دراز شہر کی طرف رجوع کرے اور اگر بالفرض وہ امام کے شہر کی طرف چل ہی پڑے تو ممکن ہے کہ اس کے امام کے شہر سے واپس آنے تک مسئلہ

پوچھنے والے صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں، اس صورت میں امام کی طرف رجوع سے کیا حاصل ہو گا۔

جس آدمی کے ذہن میں جانب قبلہ کے سلسلہ میں التباس واقع ہو جائے اس کے لئے اس کے سوا اور چارہ ہی نہیں کہ وہ سمت قبلہ کے سلسلہ میں اجتہاد کرے اور نماز پڑھ لے کیونکہ اگر وہ امام کے شہر کیطرف کوچ کریگا تو نماز کا وقت جاتا رہے گا اور اگر اجتہاد کے بعد غالب ظن کے مطابق نماز پڑھ لی جائے اور حقیقت یہ ہو کہ سمتِ قبلہ ٹھیک نہ ہو تو بھی نماز ادا ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ

"اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو ایک اجر ملتا ہے اور جس کا اجتہاد صحیح ہوتا ہے اس کو دو اجر ملتے ہیں"۔

یہی صورتِ حال تمام مجتہدات کی ہے۔

فقیر کو زکوٰۃ دینے کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہے کیونکہ زکوٰۃ دینے والا کسی شخص کو اپنے اجتہاد کی بنا پر فقیر سمجھے حالانکہ حقیقت یہ ہو کہ وہ مالدار ہو اور اس نے اپنا مال چھپا رکھا ہو۔

اس صورت میں اس سے مؤاخذہ نہیں ہو گا اگرچہ اس نے اجتہاد میں غلطی کی۔ کیونکہ اس سے اس کے ظن کے مطابق ہی مؤاخذہ ہو گا۔

اور اگر کوئی کہے کہ!

"اس کے مخالف کا ظن بھی تو اسی نوعیت کا ہے"۔

تو ہم جواب دیں گے!

"کہ وہ اپنے ظن کی پیروی کرنے کا پابند ہے۔ جس طرح کہ سمت قبلہ کے سلسلہ میں

اجتہاد کرنے والا اپنے ظن کے مطابق عمل کرتا ہے اگرچہ کسی دُوسرے کا ظن اس سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر کوئی کہے!

"کہ مقلد امام ابوحنیفہ اور امام شافی کی تقلید کرے یا اُن کے علاوہ کسی دوسرے کی"۔

تو میں کہوں گا!

"اگر کسی شخص پر سمت قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اس سلسلہ میں اجتہاد کرنے والوں کے درمیان اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو وہ کیا کریگا؟

وُہ جواب دے گا!

"اس کے پاس ذاتی بصیرت ہے جس سے وہ قبلہ کے سلسلہ میں اجتہاد کرنے والوں کے اجتہادات میں سے افضل اجتہاد کو منتخب کرسکتا ہے اور وہ اسی اجتہاد کی پیروی کرے گا"۔

تو یہی حکم مذاہب کی تقلید کا بھی ہے۔

ثابت ہوا کہ لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ انبیاء اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادی پیروی کریں اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی کہ مجتہد سے کبھی اجتہاد میں غلطی بھی سرزد ہو جاتی ہے۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ "میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور دل کے بھیدوں کو خدا ہی بہتر جانتا ہے"۔

یعنی میں غالب ظن کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جو گواہوں کی گواہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور ممکن ہے کہ گواہوں نے گواہی میں غلطی کی ہو۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق یہ ارشاد فرما رہے ہیں تو پھر دوسرے مجتہدین کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان سے اجتہاد میں غلطی سرزد نہیں ہو گی۔

یہاں وہ دو سوال اٹھاتے ہیں۔

پہلا یہ کہ اس چیز کو اگر مجتہدات کے سلسلہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی عقائد کے اصول میں اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عقائد میں غلطی کرنے والا معذور متصور نہیں ہوتا، تو اس کا کیا حل ہو گا۔

میرا جواب یہ ہے:

کہ عقائد کے اصول کتاب و سنت میں موجود ہیں، باقی رہیں جزئیات و تفصیلات تو ان میں جو مختلف فیہ ہیں ان کو "قسطاس مستقیم" پہ پرکھ کر حق کی معرفت حاصل کی جائیگی اور "قسطاس مستقیم" وہ موازین (معیار) ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں کر دیا ہے۔ ان کی تعداد پانچ ہے اور ہم نے اپنی کتاب "القسطاس المستقیم" میں انہیں بیان کر دیا ہے۔

اگر مخالف کہے:

کہ اگر آپ کا مخالف اس میزان کو تسلیم نہ کرے تو پھر کیا ہو گا۔

تو میں جواب دوں گا:

کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص اس میزان کو سمجھ جائے اور پھر مخالفت کرے کیونکہ اس سلسلہ میں اہلِ تعلیم کا بھی اختلاف نہیں کیونکہ میں نے یہ چیزیں قرآنِ حکیم سے اخذ کی ہیں۔

اس میزان میں مناطقہ کو بھی کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ ان شرائط کے مطابق ہے جو انہوں نے علمِ منطق میں مقرر کی ہیں ان کے مخالف نہیں۔

متکلم کو بھی کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ میزان ان دلائل کے موافق ہے جو وہ نظریات کے سلسلہ میں قائم کرتے ہیں اور کلامیات میں اسی سے وُہ حق کی پہچان حاصل کرتے ہیں۔

اگر معترض کہے کہ:

"جب تمہارے پاس اس قسم کا میزان موجود ہے تو پھر لوگوں کے درمیان اختلافات کو ختم کیوں نہیں کر دیتے"؛

تو میں کہوں گا:

کہ اگر لوگ میری باتوں کو غور سے سُنیں تو ان کے درمیان اختلافات کو ختم کر دُوں۔ میں نے اپنی کتاب "القسطاس المستقیم" میں اختلافات ختم کرنے کا طریقہ بھی درج کیا ہے۔ آپ اسے غور سے دیکھیں آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ حق ہے اور اگر لوگ اس کی طرف توجہ دیں تو باہمی اختلاف ختم ہو سکتے لیکن مصیبت یہ ہے کہ تمام لوگ اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے بلکہ ایک جماعت نے میری باتوں کو غور سے سنا تو میں نے ان کے درمیان اختلافات کو ختم کر دیا۔

بلکہ آپ ذرا یہ بھی سوچیں کہ لوگوں کے متوجہ نہ ہونے کے باوجود آپ کے امام ان کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ ابھی تک اختلافات کو ختم نہیں کر سکے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جو تمام اماموں کے سردار ہیں، انہوں نے اس اختلاف

کو کیوں ختم نہیں کیا۔

اور کیا وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وُہ تمام لوگوں کو اپنی بات سننے پر مجبور کر سکتے ہیں اگر ایسی بات ہے تو انہوں نے لوگوں کو جبراً اپنی بات سنا کر ان کے اختلافات کو ختم کیوں نہیں کیا اور اس کارِ خیر کو کس دن کے لئے موٓخر کر رہے ہیں اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ کی دعوت سے لوگوں میں اختلافات کی زیادتی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا اختلاف کی صورت میں تو ایسے ضرر کا خدشہ تھا جس کی تباہ کاریاں، خون ریزی شہروں کی تباہی، بچوں کو یتیم کرنے، راہزنی اور ڈاکہ زنی تک نہیں پہنچتی تھیں لیکن اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے تم نے جو کوششیں کیں اس کی برکت سے اختلافات کی خلیج اتنی وسیع ہو گئی جس کی مثال نہیں ملتی۔

اور اگر معترض کہے:

آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اختلاف کو ختم کر سکتا ہوں لیکن جو شخص مختلف مذاہب اور اختلافات میں حیران و سرگرداں ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ آپ کی بات تو سنے اور آپکے مخالف کی بات نہ سُنے اور اکثر مدِّمقابل آپکے مخالف ہیں تو ان کے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہ رہا۔ یہ ہے اہلِ تعلیم کا دوسرا سوال،

میں اس سوال کے جواب میں معترض سے کہتا ہوں:

کہ سب سے پہلے تو تمہارا یہ سوال تمہاری طرف ہی لوٹ جاتا ہے کیونکہ جب آپ وادیٔ حیرت میں بھٹکنے والے کسی شخص کو اپنی طرف بلائیں گے تو وہ آپ سے کہے گا کہ حضرت آپ کس طرح اپنے مخالفین سے بہتر ٹھہرے جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ اکثر اہلِ علم آپ کے مخالف ہیں، تو سچ سچ بتائیے آپ کیا جواب دیں گے؟

کیا آپ یہ کہیں گے:

"میرے امام کے متعلق نص موجود ہے؟" تو ذرا بتائیے کہ آپکے نص کے دعویٰ کی تصدیق کوئی کیسے کریگا جب کہ اس نے نص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی نہیں؟ بلکہ اس نے یہ دعویٰ تمہاری زبانی سنا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اکثر اہلِ علم تمہیں افترا پرواز اور جھوٹا کہتے ہیں۔

اور بالفرض اگر وہ شخص آپکے دعویٰ کو تسلیم بھی کر لے تو ہو سکتا ہے کہ نبوت کے سلسلہ میں ہی شک میں مبتلا ہو۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے وہ تمہارے امام سے معجزہ کا مطالبہ کر دے اور بالفرض اگر آپکے امام صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا معجزہ ہی دکھا دیں اور اس شخص سے کہہ دیں کہ میری صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں تیرے باپ کو زندہ کر سکتا ہوں اور واقعی وہ اس کے باپ کو زندہ بھی کر دیں اور اس کا باپ زندہ ہو کر ان کی تصدیق بھی کر دے تو پھر بھی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس معجزے کے باوجود میں آپ کے امام کی صداقت کا یقین کیسے کر لوں جب کہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ معجزہ دیکھنے کے باوجود تمام لوگ آپ کی صداقت پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اس سلسلہ میں اتنے مشکل سوالات پیش آتے ہیں جن کا جواب گہری نظرِ عقلی کے بغیر ممکن نہیں اور نظرِ عقلی تو آپکے ہاں قابلِ اعتماد ہی نہیں۔

دوسرا یہ کہ معجزہ کا صداقت پر دلالت کرنا اس وقت تک سمجھ ہی نہیں آسکتا، جب تک کہ جادو کی حقیقت کا علم نہ ہو۔ جادو اور معجزے کے درمیان تمیز کرنے کی قدرت نہ ہو اور جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو گمراہ نہیں کرتا۔ اضلال کا سوال اور اس کے جواب کی مشکلات مشہور ہیں، تو آپ ان تمام اعتراضات

کو کیسے رفع کریں گے۔

اور آپ کے امام صاحب اپنے مخالفین سے زیادہ قابل اتباع نہیں۔ اس صورت میں وُہ نظری دلائل کی طرف رجوع کریگا جن کا پہلے وہ انکار کرتا ہے اور اس کے مخالفین بھی انہیں چیزوں سے استدلال کرتے ہیں بلکہ ان کا استدلال زیادہ واضح اور بیّن بھی ہوتا ہے

ان کا یہ سوال انہیں کے لئے بہت بڑی مصیبت ثابت ہوا۔ اگر ان کے اگلے پچھلے سب جمع ہو جائیں تو بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔

خرابی تو صرف ان کمزور لوگوں کی پیدا کردہ ہے جنہوں نے اہل تعلیم سے مناظرے کئے لیکن ان کا سوال انہیں کی طرف نہیں لوٹایا اور جواب دینے کی کوشش کرتے رہے اور بات بہت لمبی ہو گئی، اور یہ بات نہ جلدی سے سمجھ میں آتی ہے اور نہ اس طرح مخالف کو خاموش کیا جا سکتا ہے۔

اگر معترض کہے:

"کہ یہاں تو تم نے ہمد سوال ہماری طرف ہی لوٹایا۔ آیا آپ کے پاس اس کا کوئی جواب بھی ہے"۔

میں کہوں گا:

"ہاں! اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں حیرت میں مبتلا ہوں اور اس مسئلہ کا تعین نہ کرے جس میں وُہ متحیر ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تو ایسے مریض کی طرح ہے جو کہتا ہے کہ میں مریض ہوں لیکن اپنی بیماری کی حقیقت بیان نہیں کرتا اور علاج چاہتا ہے تو اس مریض سے کہا جائیگا کہ دنیا میں مرض مطلق کا کوئی علاج نہیں بلکہ معین امراض کے علاج موجود ہیں:۔ جیسے دردِ سر اور اسہال وغیرہ

اسی طرح ضروری ہے کہ متحیر اس مسئلہ کا تعین کرے جس میں وہ متحیر ہے اور اگر وہ مسئلہ کا تعین کر دے تو میں موازین خمسہ کے معیار پر پرکھ کر اسے حق سمجھا دوں گا وہ موازین خمسہ کو جو بھی ان کو سمجھ جائے انہیں میزانِ حق تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور میزان پر جو چیز پوری اترے وہ قابلِ اعتماد ہوتی ہے۔

ان موازین کو سمجھ کر وہ وزن کی صحت کو بھی سمجھ جائیگا۔ جیسا کہ حساب کا طالبعلم جب حساب کو سمجھ جاتا تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ حساب کا اُستاد حساب کا عالم ہے اور حساب کے سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے سچ ہے۔

میں نے اس چیز کو اپنی کتاب "القسطاس المستقیم" جو تقریباً بیس اوراق پر مشتمل ہے میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے اس کتاب کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔

اس جگہ اہل تعلیم کے مذہب کا فساد بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ میں نے اس چیز کو پہلے اپنی کتاب "المستظہری" میں بیان کیا۔

پھر میں نے اپنی کتاب "حجتہ الحق" میں بیان کیا۔ یہ ان کے اس اعتراض کا جواب ہے جو بغداد میں مجھ پر کیا گیا۔ پھر میں نے اس چیز کو اپنی کتاب "مفصل الخلاف" میں بیان کیا جو گیارہ فصلوں پر مشتمل ہے اس میں ان کے اس اعتراض کا جواب جو ہمدان میں مجھ پر کیا گیا۔

پھر یہی چیز میری کتاب "الدرج" میں زیر بحث آئی۔ یہ کتاب خاکوں کی شکل میں ہے اور ان کے ان گھٹیا اعتراضات کا جواب ہے جو طوس میں مجھ پر کئے گئے

پھر میں نے اپنی کتاب "القسطاس المستقیم" تصنیف کی۔ یہ ایک مستقل کتاب ہے اور اس کا مقصد تصنیف علوم کے میزان کو بیان کرنا ہے، اور یہ ظاہر کرنا کہ

جو شخص اس میزان کو سمجھ لے اس کو امامِ معصوم کی حاجت نہیں رہتی بلکہ اس سے مقصد یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ اہل تعلیم کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اختلاف کی ظلمتوں کو کافور کر سکے بلکہ وہ تو تعینِ امامت کے دعویٰ پر دلیل بھی قائم نہیں کر سکے۔

بلکہ ہم تو اس سلسلہ میں یہاں تک گئے کہ ہم نے ان کے دعویٰ "ضرورتِ علم" کو کو تسلیم کیا: معلّم معصوم کی ضرورت کو تسلیم کیا اور ان سے کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ معلّم معصوم وہی ہستی ہے جس کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو۔ یہ سب کچھ تسلیم کر لینے کے بعد ہم نے ان سے پوچھا کہ ذرا ہمیں اس علم کے متعلق بتاؤ جو تم نے اس امام معصوم سے حاصل کیا ہے اور اس سلسلے میں ہم نے اُن پر چند اعتراضات کیے جن کو وہ سمجھ تک نہ سکے، چہ جائیکہ ان کا جواب دیتے اور جب جواب دینے میں ناکام رہے تو امام غائب کا بہانہ بنایا اور کہا کہ امامِ غائب کی طرف سفر کرنا ضروری ہو گیا ہے

حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگیاں امام غائب کی تلاش میں ضائع کر دیں اور اس بات پر خوش رہے کہ ان کی کوششیں کامیاب ہوں گی لیکن وُہ امام غائب سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو گندگی میں لت پت ہے۔ پانی کی تلاش میں صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور جب پانی مل جاتا ہے تو اسے استعمال نہیں کرتا اور اس کے جسم پر نجاست جوں کی توں رہتی ہے۔

اہل تعلیم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس ائمہ معصومین کا عطا کردہ علم ہے۔ لیکن اگر اس علم کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ علم فیثاغورث کے فلسفہ کی بے معنی اور گھٹیا چیزوں پر مشتمل ہے۔ فیثاغورث متقدمین فلاسفہ میں سے ہے اور اس کا مذہب تمام فلاسفہ کے مذاہب سے گھٹیا اور بے ہودہ ہے۔ ارسطو نے

فیثاغورث کے مذہب کا رد کیا ہے بلکہ اس کے مذہب کو گھٹیا اور بیہودہ کہا ہے اور اس کا ذکر کتاب " اخوان الصفا " میں موجود ہے۔

غرض اہلِ تعلیم کا مذہب فلسفہ کے حشو و زوائد پر مشتمل ہے۔

حیرت ہے کہ ایک شخص ساری عمر حصولِ علم کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور پھر اس قدر گھٹیا اور ناکارہ علم پر قانع ہو جاتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ وہ علوم کے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

ہم نے انہیں آزمایا، ان کے ظاہر اور باطن کو دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ لوگ عوام اور کم عقل لوگوں کے سامنے " معلّم کی ضرورت " کے متعلق تقریریں کرتے ہیں اور جب جاہل عوام ان کے اس دعویٰ کا انکار کر دیتے ہیں تو یہ لوگ بڑے قوی دلائل سے تعلیم اور معلّم کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان کے ان دونوں دعووں " تعلیم اور معلّم کی ضرورت " کو تسلیم کرے اور کہے کہ میں تعلیم اور معلّم کی حاجت کو تسلیم کرتا ہوں۔

لیکن مجھے ذرا اس تعلیم سے بھی بہرہ مند کرو جو تم نے معلّم معصوم سے حاصل کی ہے تو اس شخص کے جواب میں یہ صاحب کہتے ہیں۔

" جب تم نے تعلیم اور معلّم کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے تو اب معلّم کی تلاش میں رہو۔ ہمارا مقصد تو تم سے یہی تسلیم کرانا تھا۔

اور یہ طریقہ کار وہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر انہوں نے بحث میں الجھنے کی کوشش کی تو سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہو گا، کیونکہ وہ چھوٹے سے اعتراض کا جواب نہیں دے سکیں گے بلکہ اعتراض کو سمجھ تک نہیں سکیں گے جواب دینا تو بہت دور کی بات ہے آپ انہیں خود آزما لیجئے آپ یقیناً ان سے نفرت کرنے لگیں گے۔ ہم نے تو انہیں آزمایا اور ان سے اپنا دامن چھڑا لیا۔

مسالکِ صوفیاءُ

جب میں ان علوم کے مطالعہ سے فارغ ہوا تو صوفیاء کے مسالک کی طرف متوجہ ہوا مجھے معلوم ہوا کہ صوفیاءُ کا طریقہ علم اور عمل دونوں سے تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ ان کی تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو ترک کر دیا جائے۔ اخلاق رذیلہ اور صفاتِ خبیثہ سے دامن بچایا جائے۔ حتیٰ کہ ان کوششوں کے ذریعہ دل کی کیفیت یہ ہو کہ وہاں خداوندِ قدوس کے سوا کسی چیز کا تصوّر تک نہ رہے اور دل ذکرِ الہٰی کی تنویرات سے روشن اور منوّر ہو جائے۔

میرے لئے علم عمل کی نسبت زیادہ آسان تھا۔ میں نے صوفیاء کی کتب سے ان کے علم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ مثلاً حضرت ابوطالب مکیؒ رحمتہ اللہ علیہ کی "قوت القلوب" حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ کی کتابیں، حضرت جنید بغدادیؒ، شبلی اور بایزید بسطامی وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا ان کے علاوہ دیگر مشائخ کی کتابیں بھی پڑھیں حتیٰ کہ میں صوفیاء کے علمی مقاصد سے آشنا ہو گیا اور تعلیم اور سماع سے جہاں تک ممکن تھا ان کے علوم کو حاصل کیا۔ یہ بات مجھ پر عیاں ہو گئی کہ تصوّف کی حقیقت

تک تعلیم و تعلم سے نہیں بلکہ ذوق و وجدان اور تبدیلی صفات سے ہی رسائی ممکن ہے، صحت اور شکم سیری کی تعریف اور اس کے اسباب و شرائط کے جاننے میں اور فی الواقعہ صحت مند یا شکم سیر ہونے میں کتنا عظیم فرق ہے اسی طرح نشے کی تعریف جاننے اور یہ سمجھنے کہ وہ حالت جب بخارات معدہ سے اٹھ کر منابع فکر پر چھا جاتے ہیں وہ حالت نشہ کہلاتی ہے کے درمیان اور فی الوقعہ نشے کی حالت میں ہونے کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو نشے کی حالت میں ہو اس کو تو نشے کی تعریف کا علم ہی نہیں ہوتا' وہ نشے کی حالت میں ہوتا ہے لیکن نشے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔

اور جو ہوش و حواس میں ہو وہ نشے کی تعریف اور اس کے ارکان کو تو سمجھتا ہے لیکن نشے کی حالت میں نہیں ہوتا۔

طبیب مرض کی حالت میں صحت کی تعریف، اسباب اور صحت بخش دواؤں کو تو جانتا ہے لیکن صحت سے محروم ہوتا ہے یہی فرق زہد کی تعریف، شروط اور اسباب کو جاننے اور حالت زہد میں ہونے کے درمیان ہے جب کہ تو نفس کی باگ دنیا کی طرف سے کھینچ لیتا ہے۔

مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ صوفیا اصحاب قال نہیں بلکہ اصحاب حال ہیں اور تصوف کے متعلق جو کچھ تعلیم و تعلم سے حل ہو سکتا تھا وہ تو میں نے حاصل کر لیا ہے اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے اس تک رسائی تعلیم و تعلم کے ذریعہ ممکن نہیں بلکہ وہاں تک پہنچنے کیلئے ذوق اور سلوک کی ضرورت ہے، علوم عقلیہ اور نقلیہ کی چھان بین میں مَیں نے جن علوم کا مطالعہ کیا تھا اور جن مسالک پر چلا تھا ان سے مجھے اللہ تعالیٰ، نبوت اور یوم آخرت کے متعلق علم یقینی حاصل ہو چکا تھا۔

اور ایمان کے یہ تین اصول میری طبیعت میں راسخ ہو چکے تھے اور یہ یقینی علم مجھے کسی مخصوص دلیل کے ذریعہ نہیں بلکہ اسباب، قرائن اور بے شمار تجربات کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ سعادت اخروی کا حصول تقویٰ اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنے کے سوا ممکن ہی نہیں اور ان تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ دل کا تعلق دنیا سے کٹ جائے۔ اس دار فانی سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور ہمیشہ رہنے والے جہاں (دار آخرت) سے لو لگائی جائے۔ بندہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ سب کچھ جاہ و جلال سے اعراض اور تعلقات و مشاغل سے کنارہ کشی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پھر میں نے اپنے حالات کا جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں تو علائق میں ڈوبا ہوا ہوں اور انہوں نے مجھے ہر جانب سے گھیر رکھا ہے۔

میں نے اپنے اعمال کا جائزہ لیا تو مجھے اپنا سب سے بڑا عمل تدریس و تعلیم ہی نظر آیا لیکن مجھے پتہ چلا کہ تعلیم و تدریس میں بھی میری توجہ غیر اہم امور پر رہی ہے اور آخرت کے نقطہ نگاہ سے وہ قطعی طور پر غیر مفید ہیں۔

پھر میں نے تدریس کے سلسلہ میں اپنی نیت کا جائزہ لیا تو مجھے پتہ چلا کہ تعلیم و تدریس میں میری نیت خالصتاً رضائے الٰہی کا حصول نہیں تھی بلکہ مجھے اس کام پر جاہ و جلال اور شہرت کی خواہش نے آمادہ کیا تھا، یہاں پہنچ کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں تباہی کے کنارے پہنچ گیا ہوں اور اگر میں اپنے احوال کی تلافی نہیں کرتا تو میں آگ کے کنارے پہنچ چکا ہوں میں اس صورت حال میں کافی مدت تک غور و فکر کرتا رہا۔

بات ابھی تک میرے اختیار میں تھی۔ میں ایک دن تو بغداد کو خیر باد کہنے اور ان حالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ کرتا اور دوسرے دن اس ارادہ کو ختم کر دیتا میں اس راہ پر ایک قدم آگے کی طرف بڑھاتا تو دوسرا قدم پیچھے کھینچ لیتا۔ صبح کو میرے دل میں آخرت کی رغبت پیدا ہوتی تو شام کو شہوات کا لشکر حملہ آور ہو کر اس رغبت کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتا۔

شہوات دنیا کی زنجیریں مجھے رک جانے کے لئے کھینچتیں تو ایمان کا منادی ندا دیتا۔ چلو! چلو! عمر کی چند ساعتیں باقی ہیں اور تمہیں ایک طویل سفر درپیش ہے جن اعمال میں تم مستغرق ہو وہ سب ریاء اور وہم پر مبنی ہیں اگر اب آخرت کیلئے تیاری نہیں کرو گے تو پھر کب کرو گے۔

اگر اب ان تعلقات سے کنارہ کش نہ ہو گے تو آخر کب ہو گے۔ اس حالت میں دل سے تحریک اٹھتی اور کوچ کا ارادہ پختہ ہو جاتا۔

پھر شیطان آتا اور کہتا یہ عارضی کیفیت ہے اس کے پیچھے نہ چلو یہ جلد ختم ہو جائیگی اگر تم نے اس پر یقین کر لیا اور اس جاہ و جلال اور ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک شان و شوکت اور مخالفین کی مخاصمت سے پاک امن کو ترک کر بیٹھے تو ممکن ہے کبھی کوئی وقت آجائے جب تم ان چیزوں کی خواہش کرو لیکن ان چیزوں کا حصول تمہارے لئے ممکن نہ ہو۔

میں شہوات دنیا کی کشش اور آخرت کے داعیوں کے درمیان تقریباً چھ ماہ تک کشمکش میں مبتلا رہا۔ اس حالت کا آغاز رجب ۴۸۸ھ کو ہوا۔ اس مہینے میں بات حد اختیار سے نکل کر اضطرار کی حدود میں داخل ہو گئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان کو مقفل کر دیا تھا حتیٰ کہ میری زبان تدریس کے بھی قابل نہ رہی۔ میں کسی روز کوشش کرتا کہ اپنے پاس آنے والے

لوگوں کا دل رکھنے کے لئے درس دوں لیکن میری زبان سے ایک لفظ تک نہ نکل سکتا اور میں درس نہ دے سکتا۔

اس زبان بندی نے میرے دل میں ایک خوف اور غم پیدا کر دیا اور اس سے میری قوتِ ہاضمہ ختم ہو کر رہ گئی۔ کھانے پینے کی خواہش ختم ہو گئی نہ مجھے ثرید اچھا لگتا اور نہ ہی ایک لقمہ ہضم ہوتا۔ میرے قویٰ کمزور ہونے لگے حتیٰ کہ طبیب علاج سے مایوس ہو گئے۔ اور کہنے لگے ان کے دل کو صدمہ پہنچا ہے، اور وہاں سے مزاج کی طرف سرایت کر گیا ہے اور جب تک دل سے اس صدمے کا غم ختم نہیں ہوتا علاج کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

پھر جب میں نے اپنے آپ کو عاجز محسوس کیا اور میرا اختیار کلیتہً ختم ہو گیا تو میں نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی اس مجبور اور بیکس انسان کی التجا جس کے پاس رحمتِ خداوندی پر بھروسہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، میری اس دعا کو مجبوروں کی دعا قبول کرنے والی ذات بابرکات نے قبول فرما لیا۔

اور میرے لئے جاہ و مال اور اولاد و اصحاب سے اعراض آسان بنا دیا۔

میں نے مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا حالانکہ میں جی ہی جی میں شام کے سفر کا ارادہ کر رہا تھا اس خوف سے کہ خلیفہ اور دیگر احباب میرے شام میں قیام کے ارادہ پر مطلع نہ ہو جائیں۔

میں مختلف حیلوں سے بغداد سے نکلا اس ارادہ پر کہ کبھی بغداد واپس نہیں آؤں گا۔ میں تمام اہلِ عراق کی ناراضگی کا نشانہ بن گیا۔ کیونکہ ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو یہ سمجھ سکتا کہ میں اس تمام جاہ و عزت اور شان و شوکت کو کسی دینی سبب سے ترک کر رہا ہوں کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ جس حال میں میں تھا وہ بہت بلند اور اعلیٰ دینی منصب تھا۔ یہی ان بیچاروں کا مبلغ علم تھا۔

پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے جو لوگ عراق سے دُور تھے ان کا خیال تھا کہ یہ ترکِ وطن اُمرا کے اشارے پر ہو رہا ہے اور جو لوگ اُمرا اور والیوں کے قریب تھے اور جانتے تھے کہ اُمرا بیچارے میرے ساتھ کس قدر تعلق خاطر رکھتے اور کس حد تک میری طرف توجہ کرتے ہیں لیکن میں ان سے اعراض کر لیتا ہوں، اور ان کی بات کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا تو وہ لوگ یہ کہتے کہ یہ معاملہ عالمِ بالا سے متعلق ہے اور اس ترکِ وطن کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اہلِ اسلام اور اہلِ علم کو نظرِ بد لگ گئی ہے۔

میں نے بغداد سے کوچ کیا جو مال میرے پاس تھا اسے وہیں چھوڑا۔ بقدرِ ضرورت بچوں کی کفالت کے لئے مال اپنے پاس رکھا اس خیال سے کہ عراق کا مال اہل عراق کے مصالح کیلئے ہی صرف ہونا چاہیئے کیونکہ عراق کا مال مسلمانوں کے لئے وقف ہے۔

اور جو مال دنیا میں ایک عالِم اپنے اہل و عیال کے لئے حاصل کرتا ہے اس سے بہتر مال میں نے نہیں دیکھا۔

پھر میں شام میں داخل ہوا اور تقریباً ۲ سال تک وہاں مقیم رہا، وہاں مجھے تنہائی خلوت، ریاضت و مجاہدہ، تزکیۂ نفس، تہذیبِ اخلاق کے لئے جد و جہد اور دل کو ذکرِ الٰہی کے لئے صاف کرنے کی کوششوں کے سوا کوئی کام نہ تھا اور یہ چیزیں میں نے علمِ صوفیاء سے حاصل کی تھیں۔

میں کافی مدت جامع دمشق میں معتکف رہا۔ میں مسجد کے مینار پر چڑھ جاتا اور سارا دن مینار کا دروازہ بند رکھتا، پھر میں نے وہاں سے بیت المقدس کی طرف کوچ کیا، میں ہر روز حجرے میں داخل ہوتا اور اس کا دروازہ بند کر لیتا۔

پھر میرے دل میں فریضہ حج ادا کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور حرمین شریفین کی برکات سے

فیض حاصل کرنے کی تمنّا اور زیارتِ خلیل کے بعد زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو دل میں کروٹیں لینے لگی تو میں نے حجاز کے لئے رختِ سفر باندھا۔

پھر مجھے حالات نے اور بچوں کے خطوط نے وطن واپس لوٹنے کی طرف متوجہ کر دیا میں وطن واپس لوٹا حالانکہ میرا وطن لوٹنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

وہاں بھی میں نے خلوت نشینی کو ترجیح دی اور ذکر کے لئے دل کو صاف کرنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن حوادث دہر اولاد کے معاملات اور معاشی مسائل مراد اور مقصد کے حصول میں رکاوٹ بنتے رہے اور میری تنہائیوں کی صفوت کو مکدّر کرتے رہے۔ صورت حال یہ ہو گئی کہ مجھے صرف چند ساعتوں کے لئے حالت صفا نصیب ہوتی لیکن اس کے باوجود میں اپنے مقصد کے حصول سے نا اُمید نہ ہوا۔ حالات مجھے مقصد سے روگرداں کرتے لیکن میں پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا۔

تقریباً دس سال میری یہی کیفیت رہی، ان صعوبتوں کے دوران مجھ پر ایسے اُمور منکشف ہوئے جن کا بیان اور احاطہ ممکن ہی نہیں ہے صرف فائدہ کے لئے میں اُن امور میں سے چند ایک کا ذکر دیتا ہوں

مجھے یہ یقین ہو گیا کہ صوفیاء کا گروہ ہی وہ گروہ ہے جو خالصتاً اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستے پر گامزن ہے۔

ان کی سیرت تمام لوگوں کی سیرتوں سے بہتر ہے۔ ان کا اخلاق سب سے اچھا ہے ان کا راستہ ہی صحیح ترین راستہ ہے بلکہ اگر تمام عاقلوں کی عقلوں، تمام حکماء کی حکمتوں اور رموز شریعت سے واقف علماء کے علم کو جمع کیا جائے تا کہ صوفیا کی سیرت و اخلاق میں کوئی تبدیلی کی جا سکے اور ان کے اخلاق و سیرت کے مقابلے میں بہتر سیرت و اخلاق کا نمونہ پیش

کیا جائے تو یہ بات ناممکن ہوگی کیونکہ صوفیاء کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں اور دنیا میں نور نبوت سے بہتر کوئی اور نور تو ہے ہی نہیں جس سے اکتساب نور کیا جا سکے۔

قصہ مختصر یہ کہ معترضین اس مسلک پر کیا نکتہ چینی کر سکتے ہیں جس مسلک کی پہلی شرط ہی طہارت ہے اور ان کے ہاں طہارت کا مفہوم بھی یہ ہے دل کو غیر اللہ کے تصوّر ہی سے پاک کر دیا جائے۔ اس مسلک کا نقطۂ آغاز جسے اس مسلک میں وہی مقام حاصل ہے جو نماز میں تکبیر تحریمہ کو حاصل ہے وہ ہے۔ دل کو ذکر خداوندی میں مستغرق کر دینا اور اس مسلک کی انتہا کلیتاً فنافی اللہ ہو جانا ہے۔

مقامات سلوک میں سے یہ وہ آخری مقام ہے جس میں کسب و اختیار کو دخل ہوتا ہے اور درحقیقت یہیں سے طریقت کا آغاز ہوتا ہے اور اس سے پہلے کے مقامات قصر سلوک میں داخل ہونے والے کے لئے دہلیز کا حکم رکھتے ہیں۔

طریقت میں ابتداء ہی سے مکاشفات و مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ صوفیاء حالتِ بیداری میں ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کی زیارت کرتے ہیں۔ ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔ پھر صوفی صور و امثال کے مشاہدہ سے آگے بڑھ کر ان مقامات تک پہنچ جاتا ہے جن کے بیان سے زبان قاصر ہے۔ جو کوئی بھی اس حالت کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ صریح غلطی اور ٹھوکر سے نہیں بچ سکتا آخر کار قرب کا وہ مقام آجاتا ہے جسے کوئی حلول کہتا ہے۔ کوئی اتحاد کہتا ہے اور کوئی وصول لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مقامِ قرب کی یہ سب تعبیریں غلط ہیں۔

ان مقامات کی تعبیر میں غلطی کیوں سرزد ہو جاتی ہے اس چیز کو ہم نے اپنی کتاب "المقصد الاسنیٰ" میں بیان کر دیا ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو سالک اس مقامِ قرب پر فائز ہو جائے اسے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔

شعر: ترجمہ،

جو ہوا سو ہوا میں اس کے بیان سے قاصر ہوں۔ اے مخاطب تو اس حالت کے متعلق اچھا گمان رکھ اور استفسار نہ کر۔

مختصر یہ کہ جسے ذوق کی دولت عطا نہ ہوئی ہو وہ حقیقت نبوت کو صرف نام کے طور پر ہی سمجھ سکتا ہے۔ زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکتا اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی کرامتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی مبادیات میں سے ہیں۔ یہی حالت ابتداءً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جب آپ نے دنیا سے کنارہ کش ہو کر غارِ حرا کو اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا جہاں آپ خلوت میں ربّ قدوس کی عبادت میں مصروف رہتے عربوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے ربّ پر عاشق ہو گئے ہیں۔

یہی وہ حالت ہے کہ اپنے ذوق کی بدولت اسے جلا بخشتا ہے۔ اگر وہ طریقہ تصوف پر گامزن رہے اور جو دولت ذوق سے محروم ہو وہ اس حالت میں سماع اور تجربہ سے تیقن پیدا کرتا ہے بشرطیکہ وہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی صحبتوں میں اکثر بیٹھا رہے۔ اس کثرتِ صحبت سے وہ قرائنِ احوال کے ذریعہ ان حقائق کو سمجھ جاتا ہے۔

صوفیاء کی صحبت سے ان چیزوں پر ایمان کی دولت ملتی ہے۔ کیونکہ یہ وہ

مقدس گروہ ہے جن کی صحبت میں بیٹھنے والا کبھی بدبخت نہیں ہو سکتا اور جس شخص کو صحبتِ اولیاء بھی میسّر نہ ہو وہ دلائل کے ذریعہ ان چیزوں کے امکان کو تسلیم کرے اور ان دلائل کو ہم نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" کے باب "عجائب القلب" میں بیان کر دیا ہے

"دلائل کے ذریعہ جو یقین حاصل ہو اسے علم کہا جاتا ہے"

اپنی ذات کو اسی رنگ میں رنگ لینے کا نام ذوق ہے۔

سماع، تجربہ اور حسن ظن کے ذریعہ قبول کر لینے کا نام ایمان ہے۔ یہی تین درجات ہیں بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ درجات ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا اور ان تین گروہوں کے سوا باقی تمام لوگ جاہل ہیں۔ وہ ان چیزوں کے سرے ہی سے منکر ہیں۔ وہ ان باتوں پر تعجّب کرتے ہیں۔ وہ ان باتوں کو سنتے اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں، حیرت ہے یہ لوگ کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

" ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو کہتے ہیں ان لوگوں سے جن کو علم عطا ہوا کہ آپ نے ابھی کیا فرمایا۔ یہی وہ لوگ ہیں، مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر۔ پیروی کرنے لگ گئے وہ اپنی خواہشات کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہرہ اور اندھا کر دیا۔

طریقہ تصوف کی تحقیق سے جو چیزیں میرے سامنے ظاہر ہوئیں ان میں حقیقت نبوت اور خاصیتِ نبوت کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ ان چیزوں کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر میں ان کے متعلق کچھ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

حقیقت نبوت

تمام مخلوقات کے لیئے اس کی ضرورت :

سمجھ لیجیئے کہ انسان کا جوہر فطری طور پر بالکل خالی اور سادہ تخلیق ہوا ہے۔ عوالم کے متعلق کوئی علم فطری طور پر اس کے ساتھ شامل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عوالم بے شمار ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ان کا احاطہ نہیں کر سکتا جس طرح کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

" ومایعلم جنود ربّك الاهو "

" کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں (مخلوقات) کو مگر وہ خود۔

انسان کو عالم کے متعلق علم، ادراک کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے، ادراکات میں سے ہر ادراک کو اس لئے تخلیق کیا گیا تا کہ اس کے ذریعہ انسان کو موجودات میں سے کسی عالم کے متعلق علم حاصل ہو۔ اور عوالم سے ہماری مراد موجودات کی مختلف قسمیں ہیں انسان میں سب سے پہلے "حسّ لامسہ" "چھونے کی حسّ" پیدا کی جاتی ہے اور اس حسّ کے ذریعہ وہ مختلف موجودات مثلاً، گرمی اور سردی، رطوبت اور خشکی، نرمی اور سختی، وغیرہ کو محسوس کرتا ہے۔

لیکن قوتِ لامسہ رنگوں اور آوازوں کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے۔ بلکہ قوتِ لامسہ کے لحاظ سے رنگوں اور آوازوں وغیرہ کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا

پھر انسان میں "قوتِ باصرہ" دیکھنے کی قوت پیدا کی جاتی ہے اور اس حس کے ذریعہ انسان رنگوں اور شکلوں کا ادراک کرتا ہے۔

اور قوتِ باصرہ جن اشیاء کا ادراک کرتی ہے ان کا دائرہ عالم محسوسات سے بہت وسیع ہے۔

پھر انسان میں "قوتِ سمع" یعنی سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے اور اس حس کے ذریعہ انسان آوازوں اور نغموں کو سنتا ہے۔ پھر اس میں ذوق پیدا کیا جاتا ہے اور اس طرح انسان عالم محسوسات سے آگے قدم رکھتا ہے۔ جب بچہ تقریباً سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسے تمیز کی قوت عطا کی جاتی ہے اور یہ بچے کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ ہوتا ہے اسی تمیز کی بدولت بچہ محسوسات کے علاوہ دیگر اشیاء کا بھی ادراک کرنے لگ جاتا ہے ایسی چیزیں جو عالم محسوسات میں نہیں پائی جاتیں۔

پھر بچہ اس سے اگلے مرحلہ کی طرف بڑھتا ہے اور اسے دولتِ عقل سے نوازا جاتا ہے۔ عقل کے ذریعہ بچہ ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو پہلے اس کی پہنچ اور رسائی سے دور تھیں مثلاً عقل کے ذریعہ اسے واجب جائز اور محال امور کا علم ہوتا ہے۔

عقل کے بعد ایک اور منزل آتی ہے، اس مرحلے میں ایک اور آنکھ وا ہوتی ہے جس کے ذریعہ انسان غیب کو دیکھتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ اسی مرحلہ میں اس نئی آنکھ سے ان امور کا ادراک ہوتا ہے جن کے ادراک سے عقل عاجز تھی جس طرح کہ قوتِ تمیز معقولات کے ادراک سے عاجز تھی، اور قوتِ حس ان چیزوں کے

ادراک کے عاجز ہیں جن کا تعلق تمیز سے ہے"

جس طرح آپ عقل کے مدرکات کو اگر صاحبِ تمیز (جو دولتِ عقل سے محروم ہے) کے سامنے رکھیں تو وہ ان کا انکار کر دیگا اور ان کو محال اور ناممکن خیال کریگا۔ اسی طرح بعض عقل کے پجاری نبوت کے مدرکات کا انکار کرتے ہیں اور انہیں ناممکن خیال کرتے ہیں لیکن یہ نری جہالت ہے۔

کیونکہ ان کے پاس انکار کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ مدرکات نبوت ارتقائے انسانی کی جس سٹیج کے مدرکات ہیں اس سٹیج تک ان کی رسائی نہیں ہے، اور اپنی اس کوتاہی سے وُہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ حقائق موجود ہی نہیں۔ اندھے آدمی نے اگر رنگوں اور اشکال کو مسلسل لوگوں کی زبانی نہ سنا ہو تو اگر ابتداءً اس کے سامنے رنگوں اور شکلوں کا تذکرہ کیا جائے تو وہ سمجھ نہ سکے گا اور ان کا انکار کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا فضل فرمایا ہے کہ انہیں خصائص نبوت کا ایک نمونہ (نیند) عطا کی ہے۔ کیونکہ سونے والا شخص ان امور کا ادراک کرتا ہے جو غیب ہوتے ہیں یا تو یہ ادراک صراحۃً ہوتا ہے اور یا پھر مثالی طور پر جو تعبیر کے ذریعہ منکشف ہو جاتا ہے۔

یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس انسان نے بذاتِ خود اس کا تجربہ نہ کیا ہو اس سے اگر کہا جائے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ مُردوں کی طرح بے ہوش پڑے ہوتے ہیں۔ ان کی احساس، سمع اور بصر کی قوتیں منقطع ہو چکی ہوتی ہیں لیکن اس حالت میں وُہ غیب کا ادراک کر لیتے ہیں، تو وہ شخص اس چیز کا انکار کر دے گا اور اس چیز کے ناممکن ہونے کے دلائل پیش کریگا۔ وہ کہے گا کہ ادراک کا سبب تو قوائے حسیہ، سمع، بصر،

وغیرہ ہیں، تو جو شخص ان قوتوں کی موجودگی میں جن چیزوں کا ادراک نہیں کر سکتا۔ وہ شخص ان قویٰ کے منقطع ہونے کی صورت میں ان چیزوں کا ادراک کیسے کر سکتا ہے۔ یہ قیاس کی وہ شکل ہے جسے مشاہدہ جھٹلا دیتا ہے۔ جس طرح عقل ارتقائے انسانی کا ایک مرحلہ ہے جس میں ایسی آنکھ وا ہوتی ہے جو معقولات کا ادراک کرتی ہے حالانکہ حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں، اسی طرح نبوت بھی اس حالت کا نام ہے جس میں ایسی آنکھ وا ہوتی ہے۔ جس میں ایک خاص قسم کا نور ہوتا ہے اور اس نور سے اشیائے غیبیہ منکشف ہوتی ہیں! اور ایسے امور کا انکشاف ہوتا ہے۔ جن کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔

نبوت کے بارے میں شک کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہے۔

(ا) امکان نبوت میں شک (کیا نبوت کا وجود ممکن ہے)

(ب) وجود نبوت میں شک (کیا نبوت واقعۃً موجود ہے)

(ج) کسی مخصوص شخص کے نبی ہونے میں شک۔

امکان نبوت کی دلیل تو یہ ہے کہ نبوت فی الواقعہ موجود ہے اور بس اور وجودِ نبوت کی دلیل، کائنات میں ان معارف کا موجود ہونا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں۔ جیسے مثلاً علم طب اور علم نجوم، کیونکہ جو شخص ان علوم کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔ اسے خواہ مخواہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ان چیزوں کا ادراک، الہام الٰہی اور توفیق خداوندی کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ تجربہ سے تو اُن کا حصول ممکن ہی نہیں کیونکہ علم نجوم میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو ہزار سال میں صرف ایک مرتبہ وقوع پذیر ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں کو تجربہ سے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہی کیفیت دواؤں کے خواص کی بھی ہے۔

اس دلیل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا طریقہ موجود ہو۔ جس کے ذریعہ ان امور کا ادراک کیا جا سکے جن کے ادراک سے عقل عاجز ہے اور یہی مراد ہے نبوت سے ۔ یہ نہیں کہ صرف اسی چیز کا نام نبوت ہے۔ بلکہ عقل کی رسائی سے ماوراء اشیاء کا ادراک نبوت کا ایک خاصہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی نبوت کے بہت سے خواص ہیں۔ ہم نے جو بیان کیا ہے وہ تو اس سمندر کے ایک قطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔

خصائص نبوت میں سے اس خاصے کو مخصوص کر کے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی مثالیں آپ کے پاس موجود ہیں، مثلاً حالتِ خواب کے ادراکات، اور دیگر علوم مثلاً طب اور نجوم یہ تمام ادراکات انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں، عقل کے زور پر ان چیزوں تک رسائی قطعی طور پر ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ نبوت کے دیگر خواص کا ادراک ذوق اور مسلک تصوف کا پیروکار ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت کے اس خاصے (ما فوق العقل اشیاء کا ادراک) کو تو میں ایک مثال کی مدد سے سمجھ سکا اور وہ مثال ہے "خواب" اور اگر میرے پاس خواب کے تجربات نہ ہوتے تو میں نبوت کے اس خاصے کی تصدیق نہ کر سکتا کیونکہ اگر کسی نبی کے کسی خاصے کی آپ کے پاس مثال نہیں تو آپ اس خاصے کو قطعی طور پر سمجھ ہی نہیں سکتے اور جب سمجھ نہیں سکتے تو تصدیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ کسی چیز کی تصدیق تو اسے سمجھ لینے کے بعد ہی ممکن ہے۔

اور اس قسم کی مثال طریق تصوف کے ابتدائی مراحل ہی میں حاصل ہو جاتی ہے اسی مرحلے پر سالک کو کسی قدر ذوق کی دولت عطا ہوتی ہے۔ اور اس مثال اور ذوق کی مدد سے سالک ان چیزوں کی تصدیق کرنے لگتا ہے جن کی تصدیق عقل اور قیاس کے ذریعہ

ممکن نہیں۔

اس راہ کی یہی ایک خصوصیت نبوت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے اور اگر کسی مخصوص شخص کے بارے میں آپ کو شک ہو کہ آیا وہ شخص نبی ہے یا نہیں تو اس کے حالات جانے بغیر اس کے متعلق کسی قسم کا یقین حاصل نہیں ہو سکتا اور اس شخص کے حالات کی معرفت یا تو بذریعہ مشاہدہ حاصل ہو سکتی ہے یا اس کے حالات بالتواتر سن کر۔

کیونکہ اگر آپ طبّ اور فقہ کو جانتے ہیں تو پھر آپکے لئے ممکن ہے کہ اطباء و فقہاء کے حالات کا مشاہدہ کر کے یا ان کے اقوال سن کر ان کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکیں اگرچہ آپنے ان کو نہ دیکھا ہو۔

آپکے لئے یہ ناممکن نہیں کہ آپ یہ معرفت حاصل کریں کہ امام شافعیؒ فقیہہ ہیں اور جالینوس طبیب ہے اور آپ کی یہ معرفتِ حقیقی ہو گی کسی دوسرے کی تقلید میں نہیں ہو گی کیونکہ آپ فقہ اور طبّ کے متعلق جانتے ہیں اور پھر ان دونوں اشخاص (امام شافعی اور جالینوس) کی کتب اور تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں اس طرح آپ کو ان دونوں کے متعلق ضروری علم حاصل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ نبوت کے مفہوم کو سمجھتے ہوں اور قرانِ حکیم اور احادیث پاک کا بکثرت مطالعہ کریں تو آپ کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں۔

آپکے یقین میں اور اضافہ ہو اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کا تجربہ کریں جو آپنے عبادات کے متعلق فرمائے ہیں اور یہ کہ عبادات قلب کے لئے کتنی مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔

غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کتنا مبنی بر حق ہے۔

"جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ بھی بتا دیتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا"۔

اسی طرح کتنی سچی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات :۔

"جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اُسی پر مسلّط کر دیتا ہے"۔

اِسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کتنا سچّا ہے۔

"جو شخص صبح اُٹھے تو اس کو ایک ہی فکر ہو اور وُہ فکر تقویٰ (خوفِ خدا) کی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات دے دیتا ہے"۔

اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال مبارکہ کو ہزار بلکہ ہزار ہا مرتبہ آزمائیں تو آپ کو ان کی صداقت کا یقین آجائے گا اور کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

یہی وہ طریقہ (تصوف) ہے جس کے ذریعہ آپ کو نبوت پر یقین حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ لاٹھی کو سانپ بنانے یا چاند کا سینہ شق کرنے سے۔ کیونکہ اگر آپ صرف انہی چیزوں (شق قمر) وغیرہ کی طرف دیکھیں اور دیگر بے شمار قرائن کو ان کے ساتھ شامل نہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ یہ گمان کرنے لگیں کہ یہ جادو یا وہم ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے کیونکہ اس کی یہ شان ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔

آپ پر معجزات کے سلسلہ میں اعتراضات اور سوالات وارد کئے جائیں گے ایسے

میں اگر آپ کا ایمان (بالنبوت) کسی ایسے منظم اور متواتر کلام کا مرہونِ منت ہے جو معجزات کی بھی تصدیق کرتا ہے تو پھر معجزات کے متعلق کئے جانے والے ان سوالات سے آپ کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گا اور کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔

ہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس قسم کے معجزات اور خارق عادت امور کو آپ دلائل و قرائن نبوت میں سے ایک دلیل اور قرینہ ہی سمجھیں، حتیٰ کہ ایسے دلائل قرائن کے تواتر سے آپ کو نبوت کے متعلق علم ضروری تو حاصل ہو جائے لیکن آپ کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ آپ کسی دلیل یا قرینہ کو متعین کر کے اس علم اور یقین کو اس کا مرہونِ منت قرار دے سکیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو لوگوں کی ایک جماعت ایک متواتر خبر سناتی ہے تو اسے اس خبر کا یقین تو ہو جاتا ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ اسے یہ یقین اس جماعت میں سے کسی شخص کے قول سے حاصل ہوا ہے۔ بلکہ اسے یقین تو حاصل ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس یقین کی بنیاد اس خبر دینے والی جماعت سے باہر نہیں، یہی مضبوط اور علمی ایمان و ایقان ہے۔

اور ذوق تو وہ مشاہدہ اور کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑ لینے کی طرح ہے اور یہ ملتا صرف مسلکِ تصوف میں ہے۔

یہاں جس غرض کے لئے حقیقتِ نبوت کا بیان مقصود تھا اس کے لئے اتنا ہی بیان کافی ہے۔ ہم اس کی ضرورت کا ذکر انشاء اللہ العزیز بعد میں کریں گے۔

اشاعتِ علم سے منہ موڑ لینے

کے بعد دوبارہ اُس کی طرف رجوع کا سبب

تقریباً دس سال تک تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے کے دوران بیشمار اسباب مثلاً ذوق، علم برہانی اور قبول ایمانی وغیرہ کے طفیل یہ بات عیاں ہو گئی کہ انسان کی تخلیق بدن اور دل دونوں سے ہوئی ہے اور دل سے میری مراد حقیقتِ روح ہے جو معرفتِ الٰہی کا مقام ہے نہ کہ گوشت اور خون کہ اس میں تو مُردے اور حیوان بھی شریک ہیں۔

اور یہ کہ صحت بدن کے لئے باعث سعادت ہے اور مرض بدن کے لئے باعث ہلاکت، اسی طرح دل کی بھی صحت اور سلامتی ہے اور کامیاب وہی ہو گا جو بارگاہِ خداوندی میں صحت مند دل لے کر حاضر ہو گا۔

اور دل کا مرض بھی ہے جو اس کی ابدی اور اخروی موت کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "ان کے دلوں میں مرض ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے خبر رہنا زہر قاتل ہے اور خواہشات کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دل کا بہت بڑا مرض ہے۔

معرفتِ خداوندی اس زہر کے لئے بمنزلہ تریاق ہے اور خواہشات کے برعکس اطاعتِ خداوندی میں مشغول ہو جانا اس مرض کا بہت بڑا علاج ہے۔

دل کا مرض زائل کر کے اسے صحت مند کرنے کا علاج دواؤں کے بغیر ممکن نہیں جس طرح کہ بدن کے مرض کا علاج دواؤں کے بغیر ممکن نہیں۔

اور جس طرح بدن کی دوائیں اپنی کسی خاصیت کی بنار پر حصولِ صحت کے لئے اثر انداز ہوتی ہیں اور اس خاصیت کو عقلاً عقل کے زور پر معلوم نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے اطبار کی تقلید ضروری ہوتی ہے اور اطبار نے یہ علم انبیار کرام سے حاصل کیا جو نبوت کے نور سے اشیاء کے خواص پر مطلع ہوئے۔ اس طرح یہ بات مجھ پر واضح ہو گئی کہ امراضِ قلب کی دواؤں (عبادات) کی حدود اور مقادیر کا تعین انبیار کرام علیہم السلام نے کیا ہے۔

اور مرضِ قلب میں ان دواؤں اور ان کی متعین مقادیر کی تاثیر کا سبب عقل کے زور پر معلوم نہیں ہو سکتا بلکہ اس سلسلہ میں انبیار علیہم السلام کی تقلید ضروری ہے جن پر نورِ نبوت کے طفیل یہ خواص منکشف ہوئے نہ کہ عقل کے ذریعہ۔

جس طرح جو دوا مختلف اجزا سے مرکّب ہوتی ہے، اور ان اجزا میں سے بعض اجزا وزن اور مقدار میں دوسرے اجزا سے دوگنا ہوتے ہیں۔

مقداروں کا یہ اختلاف ایک راز ہے، اور یہی خاصیت ہے جس کے سبب دوائیں مؤثر ہوتی ہیں۔

اسی طرح عبادات جو دلوں کی بیماری کی دوا ہیں، وہ بھی مختلف اقسام اور مختلف مقدار کے افعال سے مرکب ہیں، سجدہ رکوع سے دوگنا ہے۔ صبح کی نماز

مقدار میں عصر کی نماز سے نصف ہے اور اس اختلاف مقدار و اقسام میں بھی ضرور کوئی راز ہے، اور یہی عبادات کا وہ خاصہ ہے جسے صرف نورِ نبوت سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

جو شخص عقل کے زور پر ان چیزوں کی حکمت معلوم کرنا چاہے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہے اور وہ شخص بھی احمق ہے جو یہ سمجھے کہ عبادات کے اجزا کا یہ اختلاف اتفاقی چیز ہے اس میں راز کی کوئی بات نہیں جسے اس کا خاصا قرار دیا جا سکے۔

جس طرح دواؤں میں کچھ اجزا اصول اور ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں اور کچھ اجزاء زائد ہوتے ہیں جو تکمیل کنندگان کی حیثیت رکھتے ہیں اور زوائد میں سے ہر ایک اصول کے افعال میں خصوصی تاثیر رکھتا ہے۔ اسی طرح سنتیں اور نوافل ارکانِ عبادات کی تاثیر کو مکمل کرتے ہیں۔

المختصر انبیاء کرام علیہم السلام امراضِ قلب کے لئے طبیب ہیں اور عقل کا فائدہ اور اس کا تصرف اتنا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ اس مذکورہ حقیقت کو سمجھ جائیں عقل نبوت کی تصدیق کرے اور اس بات کا اقرار کرے کہ جو کچھ نگاہ نبوت دیکھتی ہے وہاں تک عقل کی رسائی نہیں۔ عقل کا کام یہ ہے کہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں نبوت کے حوالے کر دے جس طرح کہ اندھوں کو راستہ دکھانے والوں کے سپرد کیا جاتا ہے اور مریضوں کو مہربان طبیب کے حوالے کیا جاتا ہے۔

یہاں تک تو عقل کی پہنچ اور رسائی ہے، اس کے بعد عقل عاجز ہے۔ ہاں اس کے بعد عقل یہ کر سکتی ہے کہ طبیب (نبی) جو کچھ فرمائے اسے سمجھ لے۔

یہ وہ امور ہیں کہ ایام خلوت میں مجھے ان کے متعلق اتنا یقین حاصل ہوا جتنا کہ مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ لوگوں کے اعتقادات اصل نبوت، حقیقت نبوت اور نبوت کی تعلیمات پر عمل کرنے کے متعلق خراب ہو گئے ہیں اور میں نے مشاہدہ کیا کہ اس سلسلہ میں لوگ کئی فرقوں میں بٹ گئے ہیں تو میں نے لوگوں کے اعتقادات کی خرابی اور اُن کے ایمان کی کمزوری کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی۔

مجھے معلوم ہوا کہ اس فساد کے چار اسباب ہیں۔

۱- پہلا سبب علمِ فلسفہ میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔

۲- دوسرا سبب طریقِ تصوف میں انہماک رکھنے والوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔

۳- تیسرا سبب اُن لوگوں کی طرف سے پیدا ہوتا ہے جو امامِ معصوم سے تحصیل علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۴- چوتھا سبب لوگوں کے درمیان نام نہاد علماء کا کردار ہے۔

میں نے کافی عرصہ انفرادی طور پر لوگوں کے حالات کا مطالعہ کیا۔ میں جس کسی کو شرعی معاملات میں کوتاہی کرتے دیکھتا اس سے اس کے شبہات اور عقیدہ کے متعلق سوال کرتا۔ اس سے اس کا مافی الضمیر معلوم کرتا اور اس سے کہتا۔ بھئی کیا بات ہے تم شریعت کے معاملات میں کوتاہی کرتے ہیں اگر تم آخرت پر یقین رکھتے ہو لیکن اس کے لئے تیاری نہیں کرتے اور آخرت کو دنیا کے عوض بیچ رہے ہو تو یہ حماقت ہے کیونکہ جب تم دو کو ایک کے عوض فروخت نہیں کرتے تو تم ابدی زندگی کو چند دنوں کے عوض کیوں بیچ رہے ہو۔ اور اگر تمہارا آخرت پر ایمان نہیں تو پھر تم کافر ہو۔ ایسے میں اپنے دل کو حصول ایمان کے لئے تیار کرو، اور معلوم کرو کہ تمہارے کفرِ خفی جو تمہارا باطنی مذہب ہے اس کا سبب کیا ہے۔ یہی کفرِ خفی ہی ظاہر میں امورِ شریعت میں کوتاہی کی تمہیں جرأت

عطا کرتا ہے، اگرچہ ایمان کے زیور سے آراستہ نظر آنے اور شریعت کے ذکر سے عزت حاصل کرنے کے خیال سے تم اس عقیدہ باطن کو ظاہر نہ ہونے دو۔

۱۔ میرے ان سوالات کے جواب میں کوئی کہتا اگر ان چیزوں (شریعت) کی پابندی ضروری ہوتی تو علماء بدرجہ اولیٰ ان کی پابندی کرتے حالانکہ فلاں مشہور فاضل نماز نہیں پڑھتے، فلاں صاحب شراب پیتے ہیں، فلاں صاحب یتیموں اور اوقاف کا مال کھاتے ہیں، فلاں صاحب حرام سے پرہیز نہیں کرتے، فلاں قاضی صاحب رشوت لیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ

۲۔ میرے ان سوالات کے جواب میں کوئی شخص علم تصوف کا مدعی بن بیٹھتا، اور کہتا کہ میں اس مقام پر پہنچ چکا ہوں جہاں عبادت کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تصوف کے نام پر گمراہ ہوتے ہیں'

۳۔ کوئی صاحب اپنے آپ کو اہل اباحت کہہ کر بری الذمہ ہو جاتے

۴۔ چوتھے صاحب جو اہل تعلیم کی صحبت میں رہ چکے تھے کہنے لگے۔

آج کے دور میں حق کی پہچان مشکل ہے۔ حق کا رستہ بہت دشوار گزار ہے اس راستے میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔ کوئی مذہب دوسرے سے بہتر نہیں، عقلی دلائل باہم متعارض ہیں، اہل رائے کی رائے پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ اہل تعلیم کے مذہب میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ مذہب یقین پر مبنی ہے تو اب میں شک کی وجہ سے یقین کو کیوں چھوڑ دوں

۵ پانچویں صاحب بولے: میں جو کچھ کرتا ہوں کسی کی تقلید میں نہیں کرتا۔ بلکہ میں نے علم فلسفہ پڑھا ہے اور اسی حوالے سے میں نے حقیقت نبوت کو سمجھا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نبوت کا منتہائے مقصود مصلحت اور حکمت ہے۔ نبوت

کے احکامات کا مقصد عوام الناس میں نظم وضبط برقرار رکھنا، انہیں باہمی قتل و غارت اور شہوات کی وادی میں غرق ہونے سے بچانا ہے اب میں کوئی جاہل تو ہوں نہیں کہ عوام کی طرح ان تکلیفات کا پابند بن جاؤں بلکہ میں تو حکیم ہوں اپنی بصیرت سے حکمت کو دیکھتا ہوں اور اس کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ مجھے اس سلسلہ میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

یہ اس شخص کے ایمان کی حالت ہے جس نے فلاسفہ الٰہیین کے مذہب کا مطالعہ کیا ہے اور ابن سینا اور ابونصر فارابی کی کتابوں کو پڑھا ہے

۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کو محض زینت اور زیور کے طور پر اپنا رکھا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتا ہے۔ نماز باجماعت ادا کرتا ہے زبان سے شریعت کی تعظیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود شراب نوشی ترک نہیں کرتا اور فسق وفجور کی دوسری چیزوں سے باز نہیں آتا۔

اگر اس سے کہا جائے کہ اگر نبوت صحیح نہیں تو پھر تم نماز کیوں پڑھتے ہو۔ بعض اوقات جواب میں وہ کہہ دیتا ہے کہ میں جسمانی ورزش، اہل شہر کی عادت، مال واولاد کی حفاظت کے لئے نماز پڑھتا ہوں۔

اور اگر وہ کہے کہ شریعت صحیح ہے اور نبوت حق ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر یہ بات ہے تو پھر تم شراب کیوں پیتے ہو۔ تو وہ کہتا ہے کہ نشہ سے محض اس لئے منع کیا گیا ہے کہ وہ عداوت اور دشمنی کا سبب بنتا ہے اور میں تو اپنی عقل مندی اور حکمت کے بل بوتے پر ان بیماریوں سے محفوظ ہوں اور شراب اس لئے پیتا ہوں تاکہ اس سے طبیعت میں خولانی پیدا ہو۔ حتیٰ کہ ابن سینا نے اپنی ایک وصیت میں

لکھا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کا عہد کیا ہے کہ حدود شرعیہ کی تعظیم کریگا۔ دینی عبادات میں کوتاہی نہیں کریگا۔ شراب لہو و لعب کی خاطر نہیں پیئے گا بلکہ دوا اور حصولِ صحت کے طور پر پیئے گا۔

یہ حالت ہے ایمان کی پختگی اور عبادات کی پابندی کی کہ ان تمام چیزوں کے باوجود شراب جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اسے دوا کے بہانے جائز قرار دے رہے ہیں۔

ایمان کے مدعیوں کے ایمان کی یہ حالت ہے اور بہت سے لوگوں نے ان کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے اور ان لوگوں پر اعتراض کرنے والوں کے کمزور اعتراضات نے اس دھوکے میں اور اضافہ کیا۔

کیونکہ معترضین نے ان پر جو اعتراضات کئے ان کی بنیاد علم ہندسہ اور منطق وغیرہ علوم کے انکار پر رکھی گئی جنہیں وہ لوگ بہت ضروری خیال کرتے ہیں جس کا سبب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

جب میں نے دیکھا کہ مذکورہ اسباب کی بنار پر لوگوں کا ایمان اس حد تک کمزور ہو چکا ہے اور میں نے محسوس کیا کہ میں ان شبہات کی قلعی کھولنے کی اہلیت رکھتا ہوں کیونکہ ان لوگوں کا رد میرے لئے پانی کا ایک قطرہ پی لینے سے بھی زیادہ آسان تھا۔ اس لئے کہ میں ان لوگوں یعنی، فلاسفہ، صوفیار، اہل تعلیم اور نام نہاد علمار کے علوم اور طرق میں گہری دسترس رکھتا تھا۔

میرے جی میں یہ بات آئی کہ موجودہ وقت اس کام کے لئے متعیّن ہے۔ میرے اندر سے آواز اٹھی کہ تمہیں تنہائی اور گوشہ نشینی کی پڑی ہے اور ادھر حالت یہ ہے

کہ مرض چاروں طرف پھیل رہا ہے، خود طبیب مبتلائے مرض ہیں اور انسانیت موت کے دروازے پر پہنچ چکی ہے۔

میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں کب تک اس جہالت کی تاریکی اور ظلمت کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا جب کہ یہ زمانہ فترت کا ہے اور یہ دور دورِ باطل ہے اگر میں نے لوگوں کو ان کے مذاہب سے راہِ حق کی طرف بلانا شروع کر دیا تو سارا زمانہ میرا مخالف ہو جائیگا آخر میں کب تک سارے جہاں کی مخالفت اور دشمنی برداشت کر سکوں گا۔

یہ کام تو اُسی وقت سرانجام پا سکتا ہے جب حالات سازگار ہوں اور کوئی ایسا شخص مسندِ حکومت پر فائز ہو جو دین دار بھی ہو اور مضبوط بھی۔

میں نے اس بہانے پر کہ میں دلیل کے ذریعہ اظہارِ حق کرنے سے عاجز ہوں، اپنے لئے خلوت نشینی میں وقت گزارنے کی رخصت پیدا کر لی اور بارگاہ خداوندی میں اپنی معذوری کا اقرار کر لیا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

ہوا یوں کہ بادشاہِ وقت کے دل میں بغیر کسی خارجی تحریک کے خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ اس بڑھتی ہوئی گمراہی کا سدِّباب کیا جائے اور انہوں نے مجھے بالتاکید یہ حکم دیا کہ میں نیساپور پہنچوں اور اس گمراہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے راستے میں بند باندھنے کی کوشش کروں بادشاہ کا اس حکم پر اصرار اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ میرے لئے انکار ممکن نہ تھا۔ دوسرا یہ کہ میں نے جس سبب سے گوشہ نشینی کی رخصت بارگاہِ خداوندی سے طلب کی تھی وہ سبب اب کمزور ہو چکا تھا، میں نے سوچا کہ اب محض سستی، آرام پسندی، عزتِ نفس کی خواہش اور نفس کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے گوشہ نشینی ترک نہ کرنا کسی طور پر مناسب

نہیں۔

میں نے اس لئے تو خلوت نشینی کی رخصت بارگاہ خداوندی سے طلب نہیں کی تھی کہ میرے لئے لوگوں کا سامنا کرنا مشکل ہے جب کہ فرمانِ خداوندی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھو لا یفتنون ط

کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ انہیں چھوڑ دیا جائے گا اس پر کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا' اور تحقیق ہم نے آزمایا ہے ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔

اور اللہ جلّ مجدہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم (جو تمام مخلوقات سے زیادہ معزز ہیں) سے فرماتا ہے۔

ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علیٰ ما کذبوا واوذوا حتیٰ اتاھم نصرنا - ولا مبدل لکلمات اللہ - ولقد جاءک من نبا المرسلین -

ترجمہ:۔ تحقیق آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا اور انہوں نے صبر کیا اس پر کہ ان کو جھٹلایا گیا اور انہیں تکلیف پہنچائی گئی حتی کہ انہیں آلیا۔ ہماری نصرت نے اور کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو' اور آپ تک پہنچی ہیں رسولوں کی خبریں۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں'

یٰس والقران الحکیم الی قولہ' انما تنذر من اتبع الذکر

ترجمہ، حکمت والے قرآنِ حکیم کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔ اور یہ قرآن عزت والے مہربان کا اتارا ہوا ہے تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ۔ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں

تو اس سلسلہ میں، میں نے کچھ اصحابِ دل سے مشورہ کیا وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ میں خلوت ترک کر دوں اور گوشہ نشینی کو خیرباد کہہ دوں۔

خواب میں صالحین کی مسلسل اور متواتر زیارت نے اس خیال کو تقویت بخشی جو اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ کام خیر اور برکت کا کام ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے اختتام پر مقدر فرما دیا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے اختتام پر اپنے دین کو تقویت بخشے گا۔

ان شہادات کی روشنی میں اُمید کی شمع روشن ہو گئی اور حسن ظن غالب ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں اس کارِ خیر کی انجام دہی کے لئے نیشاپور کی طرف کوچ کے اسباب مہیا فرما دیئے۔

میں نے بغداد سے ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں کوچ کیا تھا اس طرح خلوت کی یہ مدت گیارہ سال ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سفر مقدر فرمایا تھا اور مجھے یہ قدرتِ خداوندی اور اسکی مشیت کا عجیب کرشمہ محسوس ہوا کیونکہ میں اس قسم کے سفر کا دل میں کبھی خیال تک نہ لایا تھا۔ جس طرح کہ بغداد سے کوچ اور ان حالات سے چھٹکارا حاصل کرنا جن میں میں بغداد میں

تھا، یہ خیال بھی کبھی میرے دل میں پیدا نہیں ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ دلوں اور حالات کو بدل دینے والا ہے۔ مومن کا دل "الرحمٰن" کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اگر میں دوبارہ اشاعتِ علم کی طرف رجوع کروں تو میرا یہ رجوع رجوع نہیں ہوگا۔

کیونکہ رجوع تو اس چیز کا نام ہے کہ آدمی اس حالت کی طرف لوٹ جائے جس میں وہ پہلے تھا اور میری حالت یہ نہیں کیونکہ۔

پہلے میں جس علم کی اشاعت کرتا تھا وُہ حصول جاہ و منصب کا ذریعہ تھا، میں اپنے قول و عمل سے لوگوں کو اس کی طرف بلاتا تھا یہی میرا مقصود تھا اور یہی نیّت،

لیکن اب میں جس علم کی دعوت دے رہا ہوں وہ علم جاہ و عزت کو ترک کر دینے کی تلقین کرتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیاوی شان و شوکت کی بے مائیگی کا پتہ چلتا ہے اب یہی نیّت ہے اور یہی میرا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ میرے احوالِ قلب کو بہتر جانتا ہے:۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنی ذات کی اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کروں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں اپنی منزلِ مراد تک پہنچ سکوں گا یا ناکام ہو جاؤں گا۔ لیکن مجھے پختہ یقین ہے کہ۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

بزرگ و برتر رب کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی قوت ہے نہ قدرت۔ یہ سفر میں نے شروع نہیں کیا بلکہ قدرت نے مجھ سے کرایا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری اصلاح فرمائے پھر میرے ذریعہ لوگوں کی اصلاح فرمائے۔

مجھے ہدایت دے پھر میرے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے۔ مجھے حق کی پہچان عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اب ہم ایمان کو کمزور کرنے والے مذکورۃ الصدر اسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں ساتھ ہی ان طریقوں کی وضاحت بھی کریں گے جن پر چل کر لوگ ان کی تباہیوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم اہل تعلیم کی باتیں سن کر حیرت میں مبتلا ہیں ان کے شبہ کا علاج وہی ہے جو ہم نے اپنی کتاب "القسطاس المستقیم" میں بیان کر دیا ہے۔ اس رسالہ میں ہم اس کا ذکر نہیں کریں گے۔

۲۔ اہلِ اباحت کے توہمات اور شبہات کو ہم نے سات اقسام میں تقسیم کیا ہے اور انہیں اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" میں بیان کر دیا ہے۔

۳۔ وُہ شخص جس کا ایمان فلسفہ کی وجہ سے فاسد ہوا اور وہ اصل نبوت تک کا منکر ہو گیا تو ایسے شخص کے لئے ہم نے نبوت کی حقیقت کی وضاحت کر دی ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی بتا دی ہے کہ نبوت بالفعل موجود ہے اور اس کی دلیل کے طور پر ہم نے دواؤں کے خواص اور نجوم وغیرہ کے متعلق علم کے وجود کو پیش کیا ہے (کیونکہ ان چیزوں کے متعلق معلومات عقل و قیاس سے حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ صرف نورِ نبوت کا فیض ہے) اور ہم نے صرف اسی غرض کے لئے یہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

ہم نے نبوت پر طبّ اور نجوم کے خواص سے محض اس لئے دلیل پیش کی ہے کیونکہ یہ منکرین کے مسلمہ علوم ہیں۔

ہم تمام علوم مثلاً نجوم، طب، طبیعت، سحر، طلسمات وغیرہ ہر علم کے عالم کے سامنے خود اسی کے علم و فن سے ایک مثال نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔

۴ - اور جو شخص نبوت کا زبان سے تو اقرار کرتا ہے لیکن اعمالِ شرعیہ کو محض حکمت اور مصلحت سے تعبیر کرتا ہے تو وہ بالتحقیق کافر ہے کیونکہ وہ تو ایمان رکھتا ہے کسی حکیم پر جس کا مخصوص مزاج ہے اور اس مزاج کا تقاضا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور نبوت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں

بلکہ ایمان بالنبوت تو یہ ہے کہ انسان عقل سے ماوراء ایک حالت کے وجود کا اقرار کرے جس میں ایسی نگاہ وا ہو جاتی ہے جو مخصوص مدرکات کا ادراک کرتی ہے جن کے ادراک سے عقل عاجز ہوتی ہے۔

جس طرح کہ کان رنگوں کے ادراک سے عاجز ہیں۔ آنکھ آوازوں کے ادراک سے عاجز ہے اور تمام حواس معقولات کے ادراک سے عاجز ہیں

اب کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے ہم نے نبوت کے امکان اور وجود پر دلائل پیش کر دیئے ہیں۔

اور جو شخص اس کو تسلیم کرلے وہ گویا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہاں کچھ امور ایسے بھی ہیں جنہیں خواص کہا جاتا ہے عقل ان تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ عقل تو ان کی تکذیب کرنے لگتی ہے اور انہیں محال قرار دے دیتی ہے۔

مثلاً ایک دانق افیون زہر قاتل ہے کیونکہ وہ اپنی برودت کی شدت کی وجہ سے خون کو رگوں میں منجمد کر دیتی ہے۔

ہر ماہر طبیعیات کا دعویٰ ہے کہ اجسام مرکبہ میں برودت کا ذریعہ صرف پانی اور مٹی ہیں کیونکہ یہی دو عناصر بارد ہیں ۔

اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پانی اور مٹی کا ایک دانق نہیں کئی رطل بھی برودت میں افیون کے ایک دانق کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ اب اگر کسی طبعی کے سامنے یہ بات کہی جائے اور بذاتِ خود اس نے اس کا تجربہ نہ کیا ہو تو وہ فوراً کہہ دیگا کہ یہ محال ہے اور دلیل یہ دیگا کہ افیون میں آگ اور ہوا کے اجزار موجود ہیں اور جہاں آگ اور ہوا کے اجزار موجود ہوں وہاں برودت میں اضافہ نہیں ہو سکتا ۔

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ افیون میں جس قدر اجزار ہیں وہ سب مٹی اور پانی ہی کے اجزا ہیں تو پھر بھی اس میں اس قدر برودت کا امکان نہیں اور جب ان میں آگ اور ہوا کے اجزا بھی شامل ہو جائیں تو پھر تو بدرجہ اولی اتنی برودت ناممکن ہوگی ۔

اور وہ مدعی طبیعیات اپنی اس بات کو برہان کہیں گے ۔

حقیقت یہ ہے کہ طبیعیات اور الٰہیات میں فلاسفہ کے اکثر براہین اسی قسم کے ہوتے ہیں ۔

کیونکہ وہ امور کو اسی طرح تصوّر کرتے ہیں جس طرح وہ ان کی سمجھ میں آتے ہیں اور جو بات ان کی سمجھ میں نہ آتے اس کے محال ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں ۔

اگر سچّے خواب نہ ہوتے جن کو سب لوگ جانتے ہیں اور کوئی شخص دعویٰ کرتا کہ جب اس کے حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو وہ غیب کی باتیں معلوم کر لیتا ہے ۔ تو مدعیانِ عقل اس شخص کی تکذیب کرتے ۔

اگر کسی شخص سے یہ کہا جاتا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز موجود ہو۔ جس کا ایک ذرّہ کسی شہر میں رکھ دیا جائے تو وہ ایک ذرّہ سارے شہر کو ہر چیز سمیت کھا جائے اور پھر آخر میں اپنے آپ کو بھی کھا جائے۔ نہ شہر رہے نہ شہر کی کوئی چیز بچے اور نہ وہ کھا جانے والی شئے خود ہی بچے' تو جواب میں وہ صاحب عقل کہتا' یہ ناممکن ہے یہ محض خرافات ہے۔

حالانکہ آگ کی یہی حالت ہے جو شخص آگ کو نہ دیکھے اور اس کی مذکورہ بالا صفت سنے تو وہ اس کا انکار کر دے گا۔

عجائب آخرت میں سے اکثر کا انکار اسی طرح کا انکار ہے کہ سمجھ نہیں سکتے اور انکار کر دیتے ہیں۔

ہم ماہر طبیعیات سے کہتے ہیں کہ افیون کے تجربے سے تم یہ کہنے پر مجبور ہو کہ افیون میں کوئی ایسی خاصیت برودت موجود ہے جو طبیعیات کے معقول قیاس کے مطابق نہیں ہے۔

اگر یہ ممکن ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ افعالِ شرعیہ میں ایسے خواص ہوں جو دلوں کی شفا اور تصفیہ کا باعث ہوں لیکن حکمت عقلیہ ان خواص کا ادراک نہیں کر سکتی بلکہ انہیں صرف نگاہ نبوت ہی دیکھ سکتی ہے۔

بلکہ اہل عقل نے اس سے بھی زیادہ عجیب خواص کا اعتراف کیا ہے اور ان کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

مندرجہ ذیل شکل کے خواص تو حاملہ جس کے لئے وضع حمل مشکل ہو گیا ہو اس کے علاج کے لئے مجرب ہیں۔

د	ط	ب
ج	ھ	ز
ح	ا	و

۴	۹	۲
۳	۵	۷
۸	۱	۶

ان نقوش کو کپڑے کے دو ایسے ٹکڑوں پر لکھا جائے جن کو پانی نہ لگا ہو اور حاملہ انکی طرف دیکھتی رہے اور انہیں اپنے قدموں کے نیچے رکھے تو بچہ بہت جلد باہر آجائیگا۔

اہل عقل نے اس امکان کو تسلیم کیا اور اسے اپنی کتاب (عجائب الخواص) میں بیان کیا ہے یہ ایک ایسی شکل ہے جس کے نو خانے ہیں۔

ہر خانے میں مخصوص رقم لکھی جاتی ہے ایک لائن کے اعداد کا حاصل جمع پندرہ (۱۵) آتا ہے خواہ اسے طولاً جمع کیا جائے یا عرضاً اوپر یا نیچے کی مخالف سمتوں کو جمع کیا جائے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص ان چیزوں کے خواص کو تسلیم کرتا ہے لیکن اسکی عقل یہ نہیں سمجھ سکتی کہ نماز صبح کی دو رکعتیں ظہر کی چار مغرب کی تین مقرر کرنے میں بھی کچھ خواص پوشیدہ ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں اور تعداد رکعات میں اختلاف کا سبب اوقات کا اختلاف ہے اور ان کے خواص کا ادراک بھی صرف نورِ نبوت ہی سے ہو سکتا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ اگر اسی بات کو نجومیوں کی طرف منتقل کر دیا جائے تو انہیں ان اوقات کے اختلاف کی حکمت سمجھ آجاتی ہے۔

علمِ نجوم کی رُو سے سورج جب وسط آسمان میں ہو یا طالع اور غارب میں ہوتو

کیا اس اختلاف سے طالع کا حکم مختلف نہیں ہو جاتا؟

ہاں ہوتا ہے بلکہ ماہرین علم نجوم تو سورج کے اسی اختلاف پر علاج بدل دینے کے قائل ہیں بلکہ اسی اختلاف سے وہ کسی شخص کی زندگی اور موت کا اندازہ لگاتے ہیں حالانکہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ سورج وسط آسمان میں ہو یا مشرق کی طرف اور یا مغرب کی طرف' تو کیا ان باتوں کو تسلیم کرنے کی گنجائش ہے سوائے اسکے کہ لوگ اس بات کو ایک ماہر نجوم کی زبانی سنتے ہیں۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک منجم کے قول کو سنکڑوں مرتبہ جھوٹا ثابت ہوتا دیکھتا ہے اور پھر بھی وہ ہمیشہ منجم کے قول کی تصدیق کرتا رہتا ہے۔

وہ اس منجم کی تصدیق میں اس حد تک بھی چلا جاتا ہے کہ اگر منجم اسے کہہ دے کہ جب سورج وسط آسمان میں ہو اور فلاں بُرج میں فلاں ستارہ اس کے مقابل آجاتے اس وقت اگر تو نے کوئی نیا کپڑا پہنا تو تو اسی کپڑے میں قتل کر دیا جائیگا۔ تو وہ شخص اس وقت میں قطعاً نیا کپڑا نہیں پہنے گا۔ خواہ اسے کتنی ہی شدید سردی کا مقابلہ کیوں نہ کرنا پڑے۔

حالانکہ جس منجم سے اس نے یہ بات سُنی ہے اس کا جھوٹ کئی مرتبہ وہ آزما چکا ہے

حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ جو شخص ان چیزوں کا اعتراف کرنے پر مجبور رہے اور کہتا ہے کہ یہ خواص میں سے ہیں اور ان کی معرفت کسی نبی محترم کا معجزہ ہے تو وہ شخص اسی قسم کی ان چیزوں کا انکار کیسے کر دیتا ہے جنہیں وہ کسی ایسے نبی صادق کی زبان سے سنتا ہے جس کی صداقت کی دلیل کے طور پر معجزات موجود ہیں اور اس نبی کی طرف کوئی جھوٹ بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

اگر ایک فلسفی رکعاتِ نماز کی تعداد رمیِ جمار' حج کے ارکان کی تعداد اور تمام شرعی

عبادات میں اس قسم کے خواص کے امکان کا انکار کرتا ہے۔ تو وہ یہ نہیں بتا سکے گا کہ شرعی عبادات کے خواص اور دواؤں اور ستاروں کے خواص میں آخر فرق کیا ہے کہ ایک کو تو تسلیم کیا جائے اور دوسرے کا انکار کر دیا جائے، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے طب اور نجوم کے بعض خواص کا تجربہ کیا ہے اور میں نے ان میں سے بعض کو صحیح پایا ہے اس لئے میں نے ان کی تصدیق کا فیصلہ کیا اور میرے دل سے ان کا استحالہ اور نفرت دور ہوگئی، لیکن اعمال شرع کا میں نے تجربہ نہیں کیا تو کیونکر ان کے خواص کے وجود کو سمجھ سکتا ہوں، تو اس سے کہا جائیگا کہ جب آپ ایسے خواص کا امکان تسلیم کر لیں تو پھر ہمارا موقف ہے کہ آپ صرف ایسی چیزوں کی تصدیق نہیں کرتے جو آپ کے تجربہ میں آئی ہوں، بلکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق تم نے ان کا تجربہ کرنے والوں سے سنا اور ان کی تصدیق کر دی۔ اسی طرح آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال کو سنیں انہوں نے شریعت کے ہر معاملہ میں حق کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے آپ ان کی راہ پر چلیں ان میں سے کئی چیزیں آپ کے بھی تجربہ اور مشاہدہ میں آجائیں گی۔

مزید برآں اگر آپ کا تجربہ نہ بھی ہو تو بھی عقل کا تقاضا یہ ہوگا کہ آپ ان امور کی تصدیق اور اتباع کریں۔

مثال کے طور پر اگر ایک شخص عاقل بالغ ہو، لیکن اسے مرض کا تجربہ نہ ہو تو ایسی حالت میں وہ بیمار پڑ جائے، اس کا والد مشفق ماہر طبیب ہو، اور جب سے اس نے ہوش سنبھالا ہو اپنے باپ کے طبیب ہونے کا اسے علم ہو ایسے میں اس کا والد اس کے لئے دوا تیار کر کے لائے اور اسے کہے کہ یہ دوا تیرے مرض کے لئے بہتر ہے انشاء اللہ العزیز یہ تجھے شفاء دے گی۔

تو بتایئے کہ ایسے میں اس مریض کی عقل کا فیصلہ کیا ہوگا' جب کہ دوا کڑوی اور بدمزہ ہو؟ اب کیا اس کی عقل یہ فیصلہ صادر کرے گی کہ وہ دوا استعمال کرے یا وہ اپنے باپ کو جھٹلا دیگا اور کہے گا: "میں نہیں سمجھتا کہ یہ دوا میری صحت یابی کے لئے مفید ہے کیونکہ میں نے اس کا تجربہ نہیں کیا۔

یقیناً اگر وہ ایسا کہے گا تو تم اسے بیوقوف سمجھو گے' بعینہ اسی طرح اہل بصیرت لوگ تمہیں بیوقوف سمجھیں گے اگر تم اسرارِ شریعت کا محض اس لئے انکار کرو کہ تمہیں ان کا تجربہ نہیں ہے۔

اگر تم کہو کہ مجھے یہ کیسے یقین ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعی شفیق ہیں دوسرے وہ اس علم میں جو وہ ہمیں بتلاتے ہیں ماہر ہیں۔

تو ہم کہیں گے کہ تمہیں اپنے باپ کی شفقت کا علم کیسے ہوا حالانکہ یہ کوئی محسوس شے تو ہے نہیں' بلکہ اپنے باپ کے احوال و اعمال کے مشاہدہ اور قرائن سے تمہیں اس کی شفقت کا علم ہوا اور ان کی نشست و برخواست اور تمہارے ساتھ سلوک سے ان کی شفقت کے متعلق ایسا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے

اسی طرح جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال شریفہ کا مطالعہ کرتا ہے اور احادیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفقت' رافت' محبت اور رحمت کو دیکھتا ہے جس سے لوگوں کو آپ نے حسنِ اخلاق' اخوتِ باہمی اور ایسی چیزوں جن سے ان کے دین اور دنیا کی بھلائی مقصود ہے' کی طرف بلایا ہے تو اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امّت کے لئے اس سے بھی زیادہ شفیق ہیں جتنا باپ اپنے بیٹے کے لئے۔

اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے صادر ہونے والے محیر العقول افعال کو دیکھیں اور ان اخبار غیبیہ کو دیکھیں جو قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے بیان ہوئی ہیں اور احادیث پاک میں بیان ہوئی ہیں اور اس چیز کو نظر میں رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کے متعلق جو باتیں کیں وہ ہوبہو سچ ثابت ہوئیں تو ان چیزوں سے آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادراک اس مقام پر تھا جہاں عقل کی رسائی نہیں اور آپ کو ایسی نگاہ عطا ہوئی تھی جس پر غیب منکشف ہو جاتا تھا جس کا ادراک صرف خواص ہی کر سکتے ہیں۔

نبی کی تصدیق کے لئے علم ضروری حاصل کرنے کا یہی انداز ہے آپ اس کا تجربہ کریں آپ کو یہ حقائق روزِ روشن کی طرح واضح نظر آئیں گے۔

فلاسفہ کی تنبیہ کے لئے اتنا بیان ہی کافی ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس کی سخت ضرورت کے پیشِ نظر ہم نے اس کو بیان کر دیا ہے۔

۴۔ اور چوتھا سبب کہ (علماء کے کردار کی خرابی ایمان کی کمزوری کا سبب بنتی ہے) تو اس مرض کا علاج تین چیزوں سے ہو سکتا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ وہ عالم جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ وہ شراب پیتا ہے، حرمتِ شراب کے متعلق اس عالم کا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب، خنزیر کا گوشت، جوا، سود، غیبت، جھوٹ اور چغلی کے حرام ہونے کے متعلق تمہیں علم حاصل ہے تو ان چیزوں کی حرمت کو جانتے ہوئے بھی تم ان کا ارتکاب کرتے ہو۔

آپ ان حرام امور کا ارتکاب اس لئے نہیں کرتے کہ آپ انہیں گناہ یقین نہیں

کرتے بلکہ اس لئے کہ آپ پر شہوت کا غلبہ ہے۔

اس عالم کی شہوت بھی تمہاری شہوت کی طرح ہے وُہ بھی اس پر اسی طرح غالب ہے جس طرح تمہاری شہوت تم پر غالب ہے۔

اور وہ امور جن کو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے اور جن کی وجہ سے وہ تم سے ممتاز ہے ان کے علم کا تقاضا یہ نہیں کہ وہ مذکورۂ بالا علم کی نسبت جو تمہیں بھی حاصل ہے زیادہ سختی سے برائی سے منع کرے،

آپ دیکھتے نہیں کہ کئی لوگ جو طبّ کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھل اور ٹھنڈے پانی کے استعمال سے باز نہیں آتے حالانکہ طبیب انہیں ان چیزوں کے استعمال سے منع کرتا ہے، اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ یہ چیزیں مُضر ہی نہیں یا یہ کہ اس شخص کا طب پر ایمان صحیح نہیں، یہ محض علماء کی لغزشیں ہیں۔

دُوسرا یہ کہ ایک عام آدمی سے کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ عالم اپنے علم کو آخرت میں نجات کا ذریعہ سمجھتا ہو اور یہ گمان کرتا ہو کہ اس کا علم آخرت میں اس کی شفاعت کریگا اور اس کو عذاب سے نجات دیگا۔ اسی لئے وہ اعمال میں کوتاہی کرتا ہے

دوسرا یہ کہ اگر یہ صحیح ہے کہ علماء سے مواخذہ سخت ہوگا تو پھر یہ بھی صحیح ہے کہ علم کی وجہ سے ان کے درجات بھی بلند ہوں گے۔

اس لئے عالم تو اگر عمل ترک کرے تو علم پر بھروسہ کر سکتا ہے۔

لیکن اے جاہل اگر تو اس عالم کو دیکھ کر عمل ترک کر دے، اور علم سے پہلے ہی تو کورا ہے پھر تو تو ہلاک ہوجائے گا اور کوئی تیری شفاعت نہیں کرے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے، اور یہی حقیقی جواب ہے کہ عالم حقیقی گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا

مگر لغزش کے طور پر، وہ گناہوں پر اصرار قطعاً نہیں کرتا۔

کیونکہ علمِ حقیقی ہے ہی وہ جو بتا دے کہ گناہ زہرِ قاتل ہے اور یہ کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے، اور جو یہ جانتا ہے وہ خیر کو کسی کمتر چیز کے عوض فروخت نہیں کرتا اور یہ علم یعنی علمِ حقیقی ان علوم سے حاصل نہیں ہوتا جن کے حصول کے لئے لوگ عام طور پر کوشاں رہتے ہیں۔ اسی لئے یہ علوم لوگوں کو معصیت پر اور زیادہ جری کر دیتے ہیں۔

لیکن علمِ حقیقی تو عالم کو عذابِ الٰہی کا خوف اور رحمتِ خداوندی کی آس عطا کرتا ہے اور یہ علم گناہ اور عالم کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے" ہاں لغزشیں سرزد ہوتی رہتی ہیں جن سے انسان کو چھٹکارا نہیں۔ لیکن یہ لغزشیں ایمان کی کمزوری کا سبب ہیں۔

مومن آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر توبہ (رجوع) کر لیتا ہے۔ مومن معصیت پر اصرار نہیں کرتا۔

یہ ہیں وہ چیزیں جنہیں میں فلاسفہ، اہل التعلیم اور ان کے مذاہب کی آفات کے متعلق بیان کرنا چاہتا تھا۔

"پروردگارِ عالم سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اُن لوگوں میں کرے جنہیں اس نے برگزیدہ کیا، راہِ حق کی ہدایت فرمائی، انہیں اپنے ذکر کی تلقین کی اور نفس کے شر سے محفوظ رکھا، اور انہیں اپنی ذات کے لئے خاص فرما لیا اور وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔"

وصلی اللہ علی حبیبہ رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین وعلی آلہ صحبہ وسلم۔

مطالعہ فرمائیں

- مقالات ضیاء الامت، جلد اول -/۳۰ روپے
- " جلد دوم زیر طبع
- سنت خیر الانام
- ابر کرم -/۲۴ روپے
- گنبد خضرا -/۱۲ روپے
- جنت کی سیر -/۳۶ روپے
- شان قرآن -/۱۸ روپے
- جدید قواعد عربی اول دوم -/۹ روپے
- گلدستہ عقائد -/۲۴ روپے
- اسلامی قانونی ضابطے -/۱۸ روپے
- عظیم کائنات کا عظیم خدا -/۲۴ روپے
- روحوں کی دنیا ۷/۵۰ روپے
- سیّد الاولیاء (اردو) -/۲۴ روپے
- کشف المحجوب -/۳۶ روپے
- مدینۃ الاولیاء -/۳۶ روپے

- مقیاس خلافت -/۴۸ روپے
- مقیاس حنفیت -/۴۰ روپے
- مناظرہ -/۲۱ روپے
- " النور -/۲۴ روپے
- مرقع کلیمی -/۱۵ روپے
- معجزات مصطفیٰ -/۲۰ روپے
- ندائے یا محمد یا رسول اللہ -/۱۵ روپے
- معاشیات نظام مصطفیٰ (زیر طبع)
- اسلامی قانون شہادت -/۴ روپے
- صلوٰۃ وسلام قبل اذان -/۳ روپے
- گیارہویں شریف -/۳ روپے
- اوراق غم -/۳۶ روپے
- مقابیس المجالس ۷/۵۰ روپے
- معین الہند -/۱۲ روپے
- الدولۃ المکیہ ۲۲/۵۰ روپے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
داتا گنج بخش روڈ
لاہور ۰ پاکستان

قرآن کتاب ہدایت ہے
قرآن مکمّل ضابطۂ حیات ہے
قرآن ہماری دُنیوی اور اُخروی کامیابی کا ضامن ہے
آیئے قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں،
پیر محمد کرم شاہ صاحب ازہری کی معرکہ آرا تفسیر

ضیاء القرآن

خوبصورت ترجمہ — بہترین تفسیر

فہمِ قرآن کا بہترین ذریعہ ہے

ترجمہ، جس کے ہر لفظ میں اعجازِ قرآن کا حسن نظر آتا ہے۔
تفسیر: اہلِ دل کے لیے درد و سوز کا ارمغاں